ترتیبِ جدید

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

مناظرِ قدرت



مرتّبہ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد اوّل

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء طبع ہوئی

بار سوم قیمت عہ/

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

اِس سلسلہ کے چاروں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدیٰ خاں شروانی ۔ علی گڑھ ۔

(۲) محمد الیاس برنی ۔ جام باغ ۔ حیدر آباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی ۔ لُہاری دروازہ ۔ لاہور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشریح ترتیب جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہی کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہی، مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دھنتے ہیں

ان کی ہم پلہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہے۔ اُمید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبّت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَور شروع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملّت مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہوگئیں۔ اس قدر شناسی اور ہمّت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کردی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہو گئیں جن میں کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمد للہ ان کتابوں نے اُمید اور توقع سے بڑھکر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھروں نے اِس سلسلہ کے معتقد بلکہ مُرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہی۔ اِس سے ظاہر ہی کہ اُردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اِس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہی ترتیب و تقابل ہی۔ یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اِس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہی۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹو اسٹڈی

گئے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید براں اس قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کن کن مضامین کی فضاؤں میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھکر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا اس سے بڑھکر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میر۔ مرزا غالب اور اکبر الہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے چنانچہ اِس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ اِن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطہ کے سرسری رہ روؤں کو اکثر ایک خودرو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چارٹ مُرتّب کر کے بارہ جلدیں شائع ہوئیں۔ گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی۔ مضامین کی مجانست ترتیب کی رُوح رواں ہے۔ وافر مواد مُہیّا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست مضامین کہیں زیادہ چُست اور وسیع ہو گئی ہے حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جُداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

از سر نو شائع کی جاتی ہیں اور آیندہ یہ ان کی مستقل شکل رہیگی تفصیل ملاحظہ ہو

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل ۔ متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہی۔ صاحب دلوں اور عاشقان رسول کے واسطے بڑی نعمت ہی۔

جلد دوم ۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور رُوح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعہ کربلا کے ۱۵ جگردوز نشتر لذّت شہادت تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہی۔

جلد سوم ۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہی۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہی۔

جلد چہارم۔ متعلق اخلاقیات یعنی اُردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم کر دیے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے۔

دُوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل۔ اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں۔ یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم۔ اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالبؔ اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب۔ شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

اُن کی سیر کر رہی ہیں۔

جلد سوم۔ متعلق نباتات و حیوانات۔ یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیاءِ قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم۔ متعلق عمرانیات۔ یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں، جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظرِ قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آیندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاءاللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی۔ اور ہر جلد میں معارفِ ملّت۔ مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت۔ تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصہ کی جُداگانہ جلد مرتب ہونے کا

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو امید ہے کہ اردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شایقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہے بلکہ اصرار تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ مہلت اور موقع شرط ہے۔ ممکن ہے کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰه ؕ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی



تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی بجلیاں گر تی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دُنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قُدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خُدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مُبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اُس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پُورا پُورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مُہذّب کلام کو لیجئے۔ اِس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہی کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رُولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اِس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت اَدب ترقی زبان اور اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مُرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مُرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رُجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمّہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجّہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجیے اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزّل اور تباہی کے دَور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام یاس آور و یاس انگیز ہے دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر نا ممکن ہے کہ اسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی۔ کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہی سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجائیں۔ اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خودبخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہوجائے گا۔ علیٰ ہذا۔ قدرت کو لیجئے اُس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہی لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اَب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت وگنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اِس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اِس کے تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت - حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ
(۲) جذباتِ فطرت - سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت - اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مُرقع - ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب - چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں - لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں - بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے - خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں علاوہ بریں ارتقاءِ شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی - پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں - اگر کچھ

نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے بایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسبِ صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جُداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصّہ کی متعدد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ اُمید ہے کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک صحیح انتخاب مرتب ہوجائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی

ہیں ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے ملک کو ارد و اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ؕ

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن)
جولائی ۱۹۲۳ء
محمد الیاس برنی



مناظرِ قدرت

جلد اوّل

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی اور اُس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

فہرست مضامین جلد ا

صفحہ

فہرست مضامین جلد ۲

صفحہ

فہرست مضامین جلد ا

فہرستِ مضامین جلدِ ۱

فہرست مضامین جلد ۱

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰	۷	مغز تابوت	مغز تا پوست	۶۲	۹	دار لیست	دار بست
۱۵	۵	پچھماتی	پچھمائی	۶۹	۱۱	اس کے تےہیں	اس کے آتے ہیں
۲۳	۱۱	خوش آوازیاں بولتے	خوش آوازیاں تولتے	۷۱	۲	گھول	کھول
۳۱	۱۵	بھی کھاتہ	بہی کھاتہ	۸۴	۱۲	زم گرائے	دم کو گرائے
۳۳	۱۳	یا دمراد	بادِ مراد	۸۵	۶	اعمال	عمّان
۳۳	۱۳	دل گو	دل کو	۸۷	۲	توعروسان	نوعروسان
۳۴	۴	اس کا دھیان	اس کا بھی دھیان	۸۷	۱۰	لگھ رہا ہے	لگہ جائے
۳۵	۴	پھائی	چھائی	۸۹	۱	لہرما ارتا	لہرمارتا
۴۸	۹	ساری زمین	سائے میں	۸۹	۱	سبز زار	سبزہ زار
۵۳	۱۲	ماند ہونے لگے	ماند ہونے لگے	۸۹	۱۵	کن دنوں	کن دلوں
۵۹	۹	بسنتی	بسنتی	۱۰۲	۸	چھِلی	چُھلیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۸	۶	آب دہ چند	اب دہ چند	۱۴۰	۱۱	ل چل	ہل چل
۱۱۸	۸	پھرتی پھرتی ہے	بھرتی پھرتی ہے	۱۴۵	۹	ست	مست
۱۲۰	۶	ربرنی چھٹ	برفی چھٹ	۱۴۶	۱۰	بارے	یارسے
۱۲۵	۶	ہوا چلتی ہے	ہوا چلتی ہے صرصر	۱۵۰	۳	ہزارد	ہزاروں
۱۳۰	۱۰	کڑاکر	کڑاکڑ	۱۵۱	۳	ہوایا مجیب	ہوائے عجیب
۱۳۱	۱۱	گولے	کولے	۱۵۵	۱	ترے مثل	ترے ہے مثل



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظرِ قدرت

جلد اوّل

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور ‏ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور ‏ وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا وہ سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلسِ زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک　　ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک　جلد ا
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا　　درّاج و کبک و تیتر و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار　　پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم　　کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم　　جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

انیس

جلد ۱

۲ — صبح کا سماں

وہ سماں وحشت کا وہ نور کا تڑکا وہ بہار
صنعت صانع قدرت کا وہ تھا نقش و نگار
وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل و صوتِ ہزار
کبھی شاخوں کا وہ جھکنا کبھی اُٹھنا ہر بار

شان دکھلانے کو جو نخل تھا آمادہ تھا
زلفِ سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

سبزہ وہ جس سے خجل رنگ سپہرِ اخضر
موتی پھیلے ہوئے شبنم کے اِدھر اور اُدھر
سرد نہریں کہ جنھیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر
وہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر

بڑھ کے غنچوں کے دہن مرغِ چمن چومتی تھے
قمریاں بولتی تھیں سروِ سہی جھومتے تھے

گلِ شبّو کی سحر کو وہ بہار ایک طرف
جلوہ گر ایک طرف برگ تو بار ایک طرف
روشوں پر وہ صنوبر کی قطار ایک طرف
ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف

خرم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر ایک خار بھی تھا

شمع و پروانہ کا وہ سوز و گداز ایک طرف
بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف

جلد ۱

طوطیِ تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف چمنستاں کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف
نورِ ہنگامِ سحر دیکھ کے خورسند کوئی
کوئی خنداں تھا چمن میں تو شکر خند کوئی

تھا نیا حسن جو باغوں کا تہِ چرخ کہن ہر طرف رقص کناں پھرتے تھے طاؤسِ چمن
جب چٹکنے میں ہنسے غنچۂ نسرین و سمن جاگ اٹھا سبزۂ خوابیدہ بیانِ گلشن
پھول کو سمجھی تھی آنکھوں کا جو تارا نرگس
کر رہی تھی چمنستاں کا نظارا نرگس

تھا ہر ایک صحنِ چمن طعنہ زنِ چرخِ بریں جا بجا تازہ وہ خوشے کہ خجل ہو پروین
خاک پر فرشِ گلوں کا وہ نہالوں کی قریں تھی یہ بالیدہ کہ پھولوں نہ سماتی تھی زمیں
رنگِ نازک جو ہر اک گل کی کلی رکھتی تھی
پھونک کر پاؤں نسیمِ سحری رکھتی تھی

نفیس

۳۔ نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح

گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے رشتۂ شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں چُنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طَور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ نور کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پہ
جاری تھا ذکر قدرتِ حق ہر زباں پہ

وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گُہر ہائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کُھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

انیس

۴۔ ظہورِ صبح

جلد ۱

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح — گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح — سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم — مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم — سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں — تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں

ذرّوں کی روشنی میں ستاروں کا تھا گماں　　نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

انیس

۵۔ جلوۂ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے　　کشمیرِ دل زار ہے فردوسِ نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے　　ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رخِ حور کا شعلہ
ہر ذرّۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ
لرزش وہ ستاروں کی وہ ذرّوں کا تبسم　　چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنّم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم　　طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم
اُڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے
وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا　　وہ چاندنی مدہم، وہ سمندر کا جھلکنا

وہ چھاؤں میں تاروں کی گلِ تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا
ثناخوں سے ملی جاتی ہیں ثنا ئیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری حمد سحر ہے

خنکی وہ بیاباں کی، وہ یکھیتی صحرا
وہ وادیٔ سرسبز وہ تالابِ مصفا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا
وہ راستے جنگل میں وہ بہتا ہوا دریا
ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ رخ ہیں انوار خدا صبح وہ صادق
وہ حسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انسان کی فطرت کے مطابق
زرّیں وہ افق، نور سے لبریز وہ مشرق
وہ نغمۂ داؤد پرندوں کی صدا میں
پیراہن یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوا میں!

وہ برگ گلِ تازہ، وہ شبنم کی لطافت
اک حسن ہے وہ خندۂ سامانِ حقیقت
وہ جلوۂ اصنام، وہ بتخانہ کی زینت
زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت
ناقوس کے سینہ سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمد میں ڈوبی ہوئی آواز اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام	دل ہٹتے ہیں سرشار فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت تو برستے ہیں انعام	اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام

رونے میں جو لذت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روحِ خودی، چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے!!!

جوشؔ

۶- عبادتِ صبح

کیفیتِ وحی میں ہے بلبل	ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آبجو پر	یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی	تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے	قد قامتِ سروِ دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے	اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات	جاری لبِ جو سے التحیات
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں	اور صلِ علیٰ کا غل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم	یا صومِ سکوت میں ہے مریم

جلد ۱

کیاری ہر ایک اعتکاف میں ہے
اور آبِ رواں طواف میں ہے

سالک ہے چمن میں نہرِ موزوں
مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں

ہے صوفیِ صاف دل صنوبر
تحریکِ نسیم حالت آور

سجّادہ بدوش لالہ یکسو
یکسو شبِ زندہ دار شبّو

ہے استغراق نیلوفر کو
پاسِ انفاس ہے سحر کو

ہر شمع خموش فکر میں ہے
ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے

وحدت ہے چمن میں مغز تا پوست
صادق ہے بہار پہ ہمہ اوست

محسن کاکوروی

۷۔ نمازِ چمن

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں بن کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتّی زباں ہو کر
زبانِ برگِ گُل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھّے اس چمن کو مہرباں ہو کر

اکبر الٰہ آبادی

۸۔ صبحِ چمن

وہ جلوہ گریِ مہرِ پُرنور
تاریکیِ شب ہو جس سے کافور
آغازِ سپیدۂ سحر کا
فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا
وہ رنگِ شفق افق سے پیدا
ہو تختۂ گُل کا جس پہ دھوکا
وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی
وہ موجِ شمیم بھینی بھینی
ہر ایک نہالِ باغ گُل پوش
پھرتی ہے ہوا چمن میں مدہوش
قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری
کرتے ہیں طیور حمدِ باری
ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے
گویا کہ چمن نہیں پری ہے

بادِ سحری وہ عطر آگیں — سرگوشیِ غنچہ ہائے رنگیں
سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی — وہ خندۂ گل وہ رُت سہانی
نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ — ہے مُشک فشاں ہر ایک بوٹا
شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر — لبریز ہے یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محوِ جولاں — وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں
ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

ذاکر

۹ نسیمِ سحر

…نے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی — کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
…یا ہی کھیت کو ملتی ہیں بالیاں — پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ڈالیاں
پھلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اسے تو جگا چلی

اسمٰعیل

۱۰۔ نسیمِ سحر

اے نسیمِ روح پرور اے ہوائے خوشگوار — کیسی متوالی ہے تیری چال میں تجھ پر نثار
ہر روش پر لغزشِ مستانہ سے رکھنا قدم — اور وہ اٹھلا کے چلنا شوخیوں سے بار بار
تیرے آنے کی خوشی میں قطرۂ شبنم نسیم — گوہرِ نایاب بن کر ہوتے ہیں تجھ پر نثار
سبز شاخوں پہ ہیں تیرے خیر مقدم کو طیور — مرحبا اہلاً و سہلاً کی ہے ہر سو سے پکار

اے نسیمِ صبح بیشک رونقِ گلشن ہے تو
تیرے ہی دم سے ہے وابستہ گلستاں کی بہار

اوج گیاوی

۱۱۔ لُطفِ سحر

وہ دن کے لیے سرور کا وقت — وہ لُطفِ سحر وہ نور کا وقت
آہستہ نسیم کا وہ چلنا — سورج کا وہ آڑ سے نکلنا
شفّاف وہ آبجو چمن کی — بھینی بھینی وہ بُو چمن کی
منھ پھولوں کا دھو گئی ہے شبنم — سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم

جلد ۱

نوکوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں
دانے موتی کے جم گئے ہیں
کلیوں سے لکیر سی ہویدا
کچھ قصدِ تبسّم اُن سے پیدا
دل کو جو لُبھایا رنگ و بُو نے
او حُسن کشش یہ دی ہی تو نے

شوق قدوائی

۱۲۔ صُبح کی آمد

خبر دن کی آنے کی میں لا رہی ہوں
اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کاربوار کے ساتھ آئی
میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہی
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہی
سُہانا ہی وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

طلوع

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی اُدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطی نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی میں سو سو طرح سے رہی ہوں ہائی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے نسیمِ صبا کو بھی بہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے سو وہ نو لکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب ہے سماں ہی عجب یہ گھڑی ہے کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

جلد ۱

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں ... کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں ... غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک ... زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک ... کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا ... مؤذن کو مسجد کے میں نے اُٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا ... اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے ... کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے ... دلدّر ہوئے دُور آنے سے میرے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت ... بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت ... نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

جلد اول

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لو ہشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو — نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو

خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو — بس اب خیر سے اُٹھ کے مُنہ ہاتھ دھو لو

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اسمٰعیل

۱۳۔ ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو — میری آنکھ کے تارے جاگو

جاگو جاگیں چڑیاں کب کی — بیت چکی ہیں گھڑیاں شب کی

شمع بجھا دی بادِ صبا نے — کلی کھلا دی بادِ سحر نے

مسجد میں آوازِ اذاں ہے — گوشۂ مشرق نور فشاں ہے

چھیڑی بھیرویں مرغِ سحر کی — سنتے ہو آواز گجر کی

شبنم موتی وار رہی ہے — منہ پر چھینٹے مار رہی ہے

گونجتے ہیں زنبور کنول پر — سورج کا ہے نور کنول پر

چمکا مہرِ عالم آرا — بدلا اُجالے سے اندھیارا

جلد ا

آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہالو دھولو

فلک

۱۴- ترانۂ بیداری

وقتِ سحر ہی سونے والو دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو لطفِ سحر کو کھونے والو
جاگ اُٹھا ہے پتہ پتہ غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو اُٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلِّ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے

جمعہ

گلشن میں جو نہر ہے جاری — کرتی ہے سجدۂ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے — دستِ دعا شاخوں نے اُٹھائے

محوِ یادِ خدا ہی سبزہ — سر بسجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے — خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز دعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا — وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے — جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری — نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے — یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے — اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہی مسافر اس دنیا میں — جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے — غفلت میں گر وقت کو کھوئے

چلنے سے ہو گر وہ غافل — کھوٹی کرے گا اپنی منزل
تجھکو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقت سحر ہے

محروم

۱۵ طلوع آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھُلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھُلا
سطحِ گردوں پہ پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھُلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھُلا

غالب

۱۶۔ طلوعِ آفتاب

جلد ۱

ہے اب دھوپ کا عکس کہسار پر — شعاعیں چمکتی ہیں اشجار پر
تری اوس کی دھوپ کھونے لگی — ہوا بھی ذرا گرم ہونے لگی
پرندے زمیں پر اترنے لگے — ہرن کھل کے جنگل میں چرنے لگے
اڑے کھول کر قاز و سرخاب پر — گرے مرغِ آبی وہ تالاب پر
وہ کھیتوں میں چڑیاں بھی آنے لگیں — وہ چن چن کے دانے اٹھانے لگیں
ہوا پھر وہی کاروبارِ جہاں — ہوئے لوگ مصروفِ کارِ جہاں
ہوا میں ابھی تک نہیں کچھ غبار — رطوبت لگی اڑنے بن کر بخار
مگر شہر میں یہ نہیں آب و تاب، — کہ ٹیلوں کی ہی اوٹ میں آفتاب
بلندی پہ کچھ دھوپ آنے لگی — وہ کلسوں پہ سونا چڑھانے لگی؛

منڈیروں پہ کچھ کچھ جھلکنے لگی
اتر کر وہ در پر چمکنے لگی،

بینظیر

۱۷۔ خوشا وقتِ شام

جلدا

خدا کی نظر آ رہی شان ہے   سُہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا   تو ہے دیکھنے سے مزہ آ رہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی   ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہی مل گیا   تو ایک آدھ گُل ہی کہیں کھل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے   کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اسی کے سہارے پہ ہے   درختوں کا جُھرمٹ کنارے پہ ہے
لبِ آب جو ہیں شجر جھومتے   وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے
سماں آج کل ہے گا برسات کا   مزا دن کا ہے لُطف ہے رات کا
درخت اِک جگہ ہیں جو چھائے ہوئے   ہوادار بنگلے بنائے ہوئے
تو اک چھوٹے لڑکے نے واں آن کر   جگہ خوب موقع کی پہچان کر
رکھا سامنے اپنے جُزدان ہے   ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہے
بہت لکھنے پڑھنے کا ہے ذوق اُسے   یہی ذوق اُسے ہے یہی شوق اُسے
خدا جانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب   کہ اس میں ہے ڈوبا ہوا ہی دماغ

جلد ١

اور آتی ہی جوں جوں سیاہی شام | وہ شوقین لڑکا بذوقِ تمام
جھکا جاتا ہی اس طرح غور سے | کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے
نظر اُس کی جب تر مرانے لگی | سیہ شام سرمہ اُڑانے لگی
بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا | اک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اٹھا
ملا کر بہم چھوٹے چھوٹے سی ہاتھ | ملے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
ٹہلنے لگا آکے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو منہ پہ ہوا | حواس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا
تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور | وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر
بہم مل کے آوازیں دینے لگے | بسیرے درختوں پہ لینے لگے
وہ مل جل کے آپس میں تھے بولتے | کہ اپنی خوش آوازیاں بولتے
درختوں پہ چڑیوں کی چوں چیں کہو | جو سمجھو تو پھر یاد بے چوں کہو
جو سبزے میں جھینگر تھے برسات کے | دئے چھیڑ اُنھوں نے بھی نغمات کے
کئی غول طوطوں کے جھنکار تے | گئے سبز سبز ایسے بل مار تے
تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا | کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا

کیا خاتمہ دن کا جب شام نے ۔۔۔ تو گھرکی لی رہ اُس خوش انجام نے
اِدھر اُور اُدھر کو نظر ڈالتا ۔۔۔ چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ کچھ گائیں بھینسیں ملی راہ میں ۔۔۔ بھریں کھیت سی گھرکی تھیں چاہ میں
ٹپکتی خوشی صورتِ حال سے ۔۔۔ عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھری دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے ۔۔۔ کہ مشکیزے جیسے چھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ ان کے گوسالے تھے ۔۔۔ کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے
اور ایک گلہ بان پیچھے آتا ہوا ۔۔۔ تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملیں راہ میں اُس کو کچھ بکریاں ۔۔۔ اور اک بوک بکلروں درمیاں
وہ دودو دن نہائی تھیں پوتوں بھلی ۔۔۔ کہ دن بھر تھیں چگ کے گھر کو چلی
پھلروا سے بچے اُچھلتے ہوئے ۔۔۔ تھے اٹکھیلیوں سی مچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی
بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا یہ نزدیک شہر ۔۔۔ نظر آئی یاں اور ہی لہر بہر
دوکانوں پہ روشن سراسر چراغ ۔۔۔ چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
جو رونق کہ نیچے دکانوں پہ ہے ۔۔۔ کچھ اس سی سوا بالاخانوں پہ ہے

جلد ا

دکھاتی جو ہیں روشنی دور سے　　اُڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے
تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر　　طرحدار کمرے ہوا دار گھر
کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار　　گہے شعر خوانی ہی گاہے ستار
غزل ریختے کی ہے گاتا کوئی　　ہے گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے
کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا　　تماشے خدائی کے کرتا ہوا
گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ　　تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ
خوشی سی نہ جامے میں پھولے سمائے　　بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے
سلام اُس نے پہلے کیا باپ کو　　جھکایا بحسنِ ادب آپ کو

دعا دی یہ اُس نے بھی لے کر سلام
مبارک مبارک خوشا وقت شام

آزاد

جلد ۱

۱۸ – شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار ہوا میں کھلا ہی عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہی دنگ
نیا رنگ ہی اور نیا روپ ہی ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہی بادل کی رنگت پہ لوٹ سنہری لگائی ہی قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی بنفشی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہی ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہی باڑ بنے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اس میں سرخی کی لاگ ہرے بن میں گویا لگا دی ہی آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

اسمٰعیل

۱۹۔ شام کا جُھٹ پٹا

جلد اوّل

جُھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا
ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا

دیکھنا سورج ہی چُھپنے کے قریب
تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب

لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر
لیں گے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر

شام کو بستی سے باغوں کی طرف
اُڑ چلے کوّے بھی مل کر صف بہ صف

دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی
بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی

جانور دن بھر قلانچیں بھر چکے
اپنا اپنا کام پورا کر چکے

وہ چوکٹ کُٹ کر رہی ہیں مُرغیاں
ڈھونڈتی ہیں اپنے دڑبوں کا نشاں

بھیڑ بکری اُونٹ گھوڑا گاؤ خر
آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر

اب ہَوا کے تیز جھونکے رُک گئے
سو گئے پیڑ اور پتّے جھک گئے

اب کہاں باقی ہے موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

اسمٰعیل

جلدِ اوّل

۲۰۔ شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو
عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہی تو

ہیں روز و شب زمانہ کے پیہم قدم ترے
پیمانے محنتوں کے ہیں پیہ بیش و کم ترے

کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے
اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے

ہو تا زمانہ بس کہ ہے وابستہ شام سے
اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامان کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو
عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو

ہونا وہ بعدِ شام شفق میں عیاں ترا
اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا

تھا دن نگر رہا وہی عالم نگاہ میں
لہرانا پرنیان و حریرِ سیاہ میں

چمکے گا لشکر اب جو ترا آسمان پر
فرماں نشان میں یہ اُٹھے گا جہان پر

تا صبح ہو وے کار گہ روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی
ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بکھیرتی

دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم
کھاتا ہے دن بھی تا بہ روں بھری رات کی قسم

جلد
جگنو ہے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں
اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کی باغ ہیں

بجلی ہنسے تو رُخ ترا دیتا بہار ہے
شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے
اِس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے

خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی
اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی

سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر
ماہی ہے زیرِ آب ہے طائر درخت پر

ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے
دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے

گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی
چوکا ہے بلکہ راہزنِ نابکار بھی

القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے
عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے

بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں
سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر
بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشان زرق برق سے رکھکر کرن کا تاج نکلتا ہی شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہی سکہ ہی اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے

جلد اول

محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہی پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پا رہے اور پاؤں تک سروں سی پسینے بہا رہے
بار گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سی ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں پر دل کو ان کے دیکھو تو ہی سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کیے ہوئے جو مانگیے زمانہ ہی حاضر لیے ہوئے

مخمل کا فرش ہی مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہی دن بھر اٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہے
تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہی شام کو
اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر کھایا ہی اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پر قیامت آئے تو اس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہی مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہی — وہ سب بُلوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کہ ملّائے نکتہ داں — بیٹھا ہی سر جھکائے ہوئے پائے چراغ داں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضموں جو ہیر گرہیں اُلجھتے کبھی کبھی

بیٹھا حرام کرکے ہے آرام و خواب کو
کیڑے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسے کے طالب علم اپنے حال میں — کل صبح امتحان ہی سو اس کے خیال میں
مِل مِل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دَور سے — پڑھتے جُدا جُدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں جو کچھ کہ کرنا ہی شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دُور ہی
قسمت تو ہر طرح ہی پہ محنت ضرور ہی

اور وہ جو لکھ پتی ہی مہاجن جہان میں — آدھی بجی ہے پر وہ ابھی ہی دکان میں
گنتی میں دام دام کے ہی دم دئیے ہوئے — بیٹھا ہی گود میں بہی کھاتا لئے ہوئے

جلد ۱

ہے سارے لین دین کی میزاں تمام کی
لیکن غضب ہے بدھ نہیں ملتی چھدام کی

اور دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو
ہے کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اک آنکھ دوربیں پہ ہے اک کتاب پر
ہے محو اپنے زائچہ میں اک حساب پر
گنتی ہے اس کی تاروں سے ہی گنتے تمام رات
پر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات
اک جنتری بناؤں کہ طرز جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کی اوٹ میں
دزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے
اور ہاتھ ڈال اس کی ہر اک این آں میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر
ہے چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر
لے جائے گا غرض کہ جو کچھ ہات آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہے اور کون اڑائے گا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے
پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہے
مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہے
لاتا پر ایسے ڈھب سے لفافہ بدل کے ہے
تعریفیں اس کی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضموں گیا ہے جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہی اپنے بستر راحت پہ خواب میں | آ تو ادھر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورت اُمیدوار ہے | اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے
مجھکو تو ملک سے ہی نہ ہی مال سے غرض | رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سر شام آن کر | سجادہ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست گیا یاد خدا میں ہے | بیٹھا رہ فنا پہ ہوا سے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہی لو لگی ہوئی | اور دل میں دم بدم ہی تگ و دو لگی ہوئی

کب تک تہ ہے حباب گلا گھونٹ گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہی | اہل جہاز جن کا خدا کارساز ہی
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دیے ہوئے | کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لیے ہوئے
یا دُسرا دیتی ہولئے مُراد ہی | پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہی
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر | اور جاتی ہی دعا کی صدا آسمان پر

یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی اُمید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی اُمید پر

جلد اوّل

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے — ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے
ہر چند کام کاج سے ہی دن کے تھک رہی — بچے کو ہاتھ سے ہی برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھکو پڑے یا نہ کل پڑے — ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے

ماں کو تو سوتے جاگتے اُس کا دھیان ہے
کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر جلسے حیف حال اسی جان بلب کا ہے — سب جس کو کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بے کسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیویگا ہو صبح جب تلک
روئیگا کوئی شام کے مردے کو کب تلک

آزاد آفریں ہے تمہارے لطفِ زبان کو — پر کروٹ اب ہے رات نئی دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پیے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

آزاد

جلد اول

۲۱- رات

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات — خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہو رات تو دن کی پہچان کیا — اُٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند — زمانہ کے سب کاروبار بند
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے — خموشی سی چھائی سرِ شام سے
مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر — سرِ شام منزل پہ کھولی کمر
درختوں کے پتّے بھی چپ ہو گئے — ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے
اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا — ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ — ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ
کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر — کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
تھپک کر سُلایا اُسے نیند نے — تردد بھلایا اُسے نیند نے
غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں — مشقت سے جن کے بدن چور ہیں
وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے — وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے
نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر — ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر

گئے بھول سب بال بچوں کا غم سوئیے کو اٹھیں گے اب تا بہ دوم

کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب
کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

اسمٰعیل

۲۲- خوابِ راحت

خوابِ راحت بھی ہے عجب چیز کیا عالم بیخودی ہے چھایا
اے نیند۔ نمونہ قیامت تو نے ہمیں آنکھ سے دکھایا
تو آئی ہوئے حواس بیکار کیا جانئے تو نے کیا سنگھایا
جس وقت اُتر گئی گھٹا سی آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا
پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں پھر زیست کا ذائقہ چکھایا
پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا
ہے تیری عجیب حکمرانی دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا
رن میں فوجوں کو جا پچھاڑا بن میں شیروں کو جا دبایا
دہقاں کو کھیت میں کیا چت گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا

ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے — چرواہے کو گھاس پر لٹایا
لینے کو درخت پر بسیرا — چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی — چُپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام — بچوں کو تھپک تھپک سلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ — جھولے میں جُھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رُکا نہ ہتھکڑی سے — محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کرّ و فر مٹا دی — نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زرّیں پردے نہ فرش مخمل — ایواں ہے گُم سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر — کب شاہ و گدا میں فرق پایا
جج کے بھی حواس ہیں معطّل — فیصل ہوئے قصۂ و قضایا
ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملا چُکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو ٹھگ بنایا
لالہ کو نہیں رہی ذرا سدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا اُلٹ دیا ہے ٹنٹّر — روکڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دکھ درد کا کرب سب مٹایا

جلد اوّل

کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو — پُلٹس لگے زخم پر کہ پھایا
اوسان نہیں حکیم جی کو — کیا نیند نے لخلخہ سُنگھایا
پنڈت بھی ہوئے نچنت ایسے — اشنان کیئے نہ جل چڑھایا
مُلّا کو بھی ہو گیا ہی نسیاں — بھولا ہی مسائلِ ہدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس — کیا شکل ہے قائم الزوایا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے — لنکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مؤرخوں کو — کیا کیا بر روئے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالبِ علم — اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی — کھڑاگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا — ہر چند جہاز ڈگمگایا
چیتے نہیں ریل کے مسافر — انجن نے ہزار غل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد — جھگڑوں میں تھا جان کو کھپایا
سب مشغلے ہو گئے فراموش — اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دنیا کی خبر نہ دین کا ہوش — کیا ساغرِ بیخودی پلایا

تو نے کیا نیسند کو مسلط
قدرت ہی بڑی تری خدا یا

جلد اوّل

اسمٰعیل

۲۳- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاریگری نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی اسے دیکھتے یوں ہی دُنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب ہمیشہ مصفا ہے بے رفت و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف ادھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول چُرس ہے نہ جُھری نہ سلوٹ نہ جھول

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے
چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

نظر آ رہے ہیں عجب شان سے
ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں
یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے پڑے
زمیں سی بھی ہیں ان میں اکثر بڑے

نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ
بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ

پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے
ترے حکم کے ذوق میں جھومتے

یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے
بندھے ہیں ہم سخت زنجیر سے

وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی
نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی

عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور
تلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور

یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر
لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

نشہ میں اطاعت کی سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

اسمٰعیل

جلد اوّل

۲۴۔ تاروں بھری رات

اے چھوٹے چھوٹے تارو کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہووے مجھے کس طرح تحیّر
کہ تم اونچے آسماں پر جو ہے کُل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے کہ کسی نے جڑ دیئے ہیں
گُہر اور لعل گویا

جو ہیں آفتابِ تاباں نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی نہ میسّر آتی ان کو
تو غریب جنگلوں میں یوں ہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راستے کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے وہ امیدوار دہقاں

جگنو

کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی   کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہ رہا ہے خرمن   کہیں آنکھ ان کی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک   ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ   نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو   ہو تمھیں انھیں سُجھاتے
کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے   ہے وسیع بحرِ اعظم
انھیں ہولناک موجوں   سے مقابلہ ہے کرنا
کوئی ہے چلا وطن سے   کوئی آ رہا ہے واپس
انھیں کچھ خبر نہیں ہے   کہ کدھر ہے ان کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی   نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر   مگر اے فلک کے تارو
تمھیں ان کے رہنما ہو

اسمٰعیل

جلدِ دوم

۲۵- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آکر چاندنی
ہے برنگِ موسمِ گل رُوح پرور چاندنی

آسماں سے ہے چھما چھم بارشِ نورِ ضیا
نور کا دریا رواں ہے یا زمیں پر چاندنی

آسماں پر ہے ستاروں سے فروغِ نورِ ماہ
چار سو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی

گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں تجھ سے ہیں
نور کی مورت ہے تو اے ماہ پیکر چاندنی

عجز کہتے ہیں اسے ہے نام اس کا انکسار
بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بن کر چاندنی

مرمٹوں پہ رکھتی ہے لطف و عنایت کی نظر
ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی

غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کی طرح
کس قدر ہے دلکشا کیا پُر فضا ہے چاندنی

ہر روش پر کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ صبا
شام ہی سے باغ میں رونق فزا ہے چاندنی

باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن
مرحبا اے اوج کیا عشرت فزا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

اوج گیاوی

۲۶- چاندنی رات

دلکش تھا اک رات کا منظر   چاندنی تھی پھیلی ہوئی گھر گھر
دیر ہوئی سورج کو سدھارے   لیلیٰ شب نے بال سنوارے
چرخ بریں پر چھٹکے تارے   اک اک آ کے چمکے سارے
سائیاں جو سر پہ تنا تھا   گویا بقعۂ نور بنا تھا
تاروں کا جمگھٹا گھنا تھا (ق)   ذرّے ہو کر نور چھپا تھا
چاند کے گرد تھا نور کا ہالا   لطف کہکشاں سے تھا دوبالا
پھیلا تھا ہر سمت اُجالا   روشن خوب تھا عالم بالا
زمیں پہ مہ کی نور افشانی   گویا برس رہا تھا پانی
صحنِ گلشن تھا لاثانی (ق)   صانع کو تھی خود حیرانی
چاندنی کا چھن چھن کر آنا   پتّوں میں گھُس گھُس کر جانا
آبِ رواں میں کہیں نہانا (ق)   آنکھ کو جادوگری دکھانا
کہیں پہ پڑنا کہیں نہ پڑنا   روشنی کا سایہ سے لڑنا
شکلوں کا بن بن کے اکڑنا (ق)   ادھر سنورنا اُدھر بگڑنا

سروِ نگہباں سینے کھڑے تھے — اپنی جگہ پہ تنے کھڑے تھے
خواب نما زمیں پھول تھی سائے — ہلتے تھے اُن کے گھمائے ہوئے
ہوا کے جھونکے جگا کے ہارے — (ق) پر نہ اُٹھے وہ نیند کے مارے
جادو ادھر تو تھا گل پر — حالت اور تھی یہ سنبل پر
پڑے پڑے انگڑائی لینا — نیند میں کاکل اُلجھا دینا
نرگس پہ تھی غنودگی طاری — خواب سے اُس کی آنکھ تھی بھاری
بلبل کو سوجھیں یہ باتیں — باغ میں چل کر کیجے گھاتیں
آئیں اُس کی عیش کی راتیں — کھائیں گلوں نے پیار کی لاتیں
قمری تھی شمشاد پہ شیدا — ایک کا عشق تھا ایک سے پیدا
اوس نے جب قطرے برسائے — سب غنچوں نے مُنہ پھیلائے
بن مانگے جب موتی پائے — سب اپنے دامن بھر لائے
گلچیں سے گو باغ تھا خالی — بادِ صبا تھی چھیڑنے والی
جوں ہی کسی نے آہ نکالی — (ق) پتّوں نے دی مل کر تالی
ہو نہ سکے گا بیان شافی — بس یہ کہہ دینا ہے کافی
طرزِ چمن تھا معشوقانہ — صورت پیاری رنگ سہانا

جلد اوّل

طرفہ عالم تھا صحرا کا جھوم رہا تھا پتا پتا
خلقت تھی خوابیدہ ساری بالکل بے خود ہوش سے عاری
دریا کی تھی بند روانی تھا شکل آئینہ پانی پانی
جھیل کا نظارہ تھا نرالا سب کو کر دیتا تھا متوالا
چکوا چکوی ہجر کے مارے بے بس پڑے تھے جھیل کنارے
آب و تاب پانی کی سوا تھی آئینہ بن کر عکس نما تھی
دوسرا چرخ تھا اُس کے اندر انجم رخشاں ماہ منوّر
موجوں نے جب رنگ جمایا سب کو ایک دم لرزہ آیا
دلکش از بس تھا یہ نظارا کیسا سہانا کیسا پیارا

قدرت کا تھا سارا افسوں
آنکھ تھی خیرہ دل تھا مفتوں

جیدیال سکینہ

۲۷۔ لُطفِ شب

فلک کواکب و مہتاب سے ہوا روشن زمیں پہ لیمپ ہیں جگنو کے جا بجا روشن

یہ چاندنی کی بہار اور یہ خوشگوار فضا — یہ دلفریب مناظر یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
چڑھا ہے ایک روپہلا ورق زمانہ پہ — برس رہا ہے تجلّی کا ابر خوش منظر
چمک ستاروں کی اپنی دکھا رہا ہے فلک — نظر اُٹھا تو ذرا جگمگا رہا ہے فلک

اُٹھ اب زمانہ کا کچھ اور رنگ ہے پیاری
زمانہ دیکھ کے یہ سین دنگ ہے پیاری

(ترجمہ نظم انگریزی طامس مور)

عزیز

۲۸۔ ماہتاب

اُفق پر سرِ شام ہی ماہتاب — وہ چمکا اُٹھا کر بسنتی نقاب
درختوں پہ چاندی سی چڑھنے لگی — تجلّی بھی اٹھلا کے بڑھنے لگی
روپہلی کرن آسماں پر تمام — اُڑانے لگی ریزۂ سیمِ خام
پڑی پانی پر چاندنی کی جھلک — دکھانے لگی موجِ دریا چمک
وہ مل مل کے ابرک شعاعِ قمر — چھڑکنے لگی سطحۂ آب پر
برسنے لگا نور افلاک سے — تجلّی اُبلنے لگی خاک سے
ہوا اس قدر روشنی کا وفور — بنی ہر کرن تارِ بارانِ نور

تجلّی کثافت کو دھونے لگی مکانوں پہ قلعی سی ہونے لگی

بنے آئینہ سارے دیوار و در

سفیدی پھری ہر در و بام پر

بینظیر

۲۹- چاندنی رات

وہ مہتاب کی آسماں پر نمود
مزیّن کواکب سے چرخِ کبود

وہ کرنوں کی شبنم کے اندر بہار
اُڑایا ہے چاندی کا گویا غبار

لرزتی ہے پانی پہ یہ چاندنی
کہ دریا میں بجلی کی ہے روشنی

وہ لہریں کہیں تلملاتی ہوئیں
چمک آئینے کی دکھاتی ہوئیں

نہیں نام کو بھی کہیں تیرگی
کہ عکسِ تجلّی ہے ساری زمیں میں بھی

رواں ہے یہ چاروں طرف موجِ نور
کہ اُڑتے ہیں دن کی طرح کچھ طیور

شعاعوں کی اللہ رے تیزیاں
قمر کے وہ جوبن کی خونریزیاں

مگر چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں ماند
کہ آج اپنے جلوہ میں پورا ہے چاند

شعاعوں کا وہ جگمگانا کہیں
ستاروں کا آنکھیں چُرانا کہیں

گرا چھن کے پتوں سے نورِ قمر — کہ ہیرے کے ٹکڑے پڑے ہیں اِدھر
ہوا نیچے کاری کا یہ اہتمام — کہ مرمر پہ ہے سنگِ موسیٰ کا کام
یہ سائے ہیں اوراق سے نور کے — کہ گُل سنگِ موسیٰ پہ بلّور کے
کہیں چہچہاتے ہیں کچھ کچھ طیور — کہیں شور کوّوں کا ہے دور دور
ستارے جو رہ رہ کے ٹوٹے اِدھر — وہ مہتاب کے پھول تھے بے بسر
ہوئی چاندنی یہ تجلی فشاں — کہ ہے عالمِ وجد میں آسماں
صفا بام و در میں سمائی ہوئی — درختوں پہ حیرت سی چھائی ہوئی

یہ کہتا ہے ہر اک شجر کا سکوت
فسبحانہ الذی لا یموت

بینظیر

۳۰- چاندنی کی بہار

ہے اس ٹھاٹ سے چاندنی جلوہ گر — کہ سکتے کے عالم میں ہے ہر شجر
تجلی سے وادی یہ معمور ہے — کہ موجِ ہوا موجۂ نور ہے
وہ پھول اُجلے اُجلے ہیں جو سامنے — کٹوری سی چاندی کی سنگ مرمر لیے

دکھاتے ہیں اس وقت کیسی بہار | کہوں ٹوٹ کر چمن پہ تارے نثار
چمک ریگ پر صحن بلّور کی | بچھائے ہوئے چاندنی نور کی
یہ عالم جو دیکھا تو شکلِ کتاں | ہوا پارہ پارہ دلِ عاشقاں
وہ بھیگی ہوئی آبِ رحمت سے رات | کہ تر دامنوں کی ہو جس سے نجات
وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا | وہ اشجار و آبِ رواں کی صفا
وہ شاخوں کا جھکنا لچک کر کہیں | وہ لہروں کا اُٹھنا چمک کر کہیں
وہ میدان میں چاندنی کا سماں | وہ شبنم کا گرد اس کے کچھ کچھ دھواں
نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں | وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں

وہ ہر سمت چھایا ہوا نورِ بدر
وہ شب لیلۃ القدر کو جس کی قدر

بینظیر

۱۳- تارے

کہاں ہے تو اے ساقیِ بزم زیب | کہ تاروں بھری رات ہے دلفریب
کواکب یہ افلاک بھولے ہوئے | کنول حوضِ گردوں میں پھولے ہوئے

جلد اول

سمندر میں بہتے ہوئے یہ چراغ — بنے صحنِ گردوں میں تاروں کا باغ
نہیں چاند کا گو فلک پر نزول — کھلے ہیں مگر چاندنی کے یہ پھول
مسہری سجی قدرتِ پاک کی — بنی سیج پھولوں سے افلاک کی
قنادیل روشن عجائب نگار — مصابیحِ آیاتِ پروردگار
ستاروں کا یہ عکس تالاب میں — کہ لہراتی ہیں بجلیاں آب میں
تناسب سے قدرت نے چھوٹے بڑے — زبرجد کے گنبد میں ہیرے جڑے
یہ خورشیدِ تاباں کے آنکے ہوئے — گہر چترِ گردوں میں ٹانکے ہوئے
غضب جگمگاتی ہوئیں فردیاں — بنا کامدانی کا تھان آسماں
بھری بوٹیوں سے ردائے فلک — بنی بیل خود کہکشاں کی سڑک
شبِ تار کی شال تانے ہوئے — جہاں نیند کی دل میں ٹھانے ہوئے
مگر چشمِ انجم جھپکتی نہیں — ستاروں کی بوندیں ٹپکتی نہیں
کچھ ایسا ہی خوفِ شبِ تا رہی — کہ ہر نجم اک چشمِ بیدا رہی
کھلے کوڑیالے سرِ کوہسار — کہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار
جو سیارے بہتے ہیں ان میں رواں — وہ ہیں ان کی ترتیب کے پاسباں
جو ثابت ہیں محور بدلتے نہیں — کہ گردِ اپنے پھرتے ہی چلتے نہیں

جلد اوّل

مرتب جو یہ شکل تجسیم ہے — مہ و سال کی ان سے تقسیم ہے
ہوا یوجھ سب کا سنبھالے ہوئے — فضا میں کرُوں کو اچھالے ہوئے

بہم ان میں جو ربطِ جذبات ہے — عِلی قدر جسم و مسافات ہے
کشش ان میں ہے اور تاثیر بھی — جدا گانہ تکثیف و تنویر بھی

کچھ آباد کچھ ان میں خالی بھی ہیں — جلالی بھی ہیں کچھ جمالی بھی ہیں
وسیع اس قدر ہے فضائے جہاں — ہیں ذرّوں سے کم یہ کرے بیگماں

تپش دن کو خورشیدِ تاباں کی تھی — خبر کس کو اس بزمِ شایاں کی تھی

فضا آبِ انجم سے دھوئی ہوئی
شبِ ماہ حیرت میں کھوئی ہوئی

بینظیر

۳۲- پچھلی رات

وہ بھیگی ہوئی رات پچھلا پہر — سیاہی کے پردے میں نورِ سحر
شفق کا ابھی گو نہیں کچھ نشان — سہانا مگر ہو چلا آسمان

پسِ پردہ جو کچھ ہے بازیگری — ہے اب تک نظر بندیوں سے بھری

کوئی دم میں بازیگرِ آسماں
چھپا دے گا یہ مہر ہائے عیاں

خبر دے رہی یہ رنگِ فلک
کہ تاروں نے دیکھی کسی کی جھلک

سمجھتے ہیں یہ سب جو حیران ہیں
فلک پر کوئی دم کے مہمان ہیں

نکلنے پر آئے گا جب آفتاب
خود اس کی تجلی بنے گی حجاب

ابھی گو گھڑی دو گھڑی رات ہے
مگر عین انوارِ ظلمات ہے

بے نظیر

۳۳ - ڈھلتی رات

ابھی جل رہا ہے قمر کا چراغ
کھلا ہے سرِ چرخ تاروں کا باغ

وہ جو کہکشاں کی سڑک ہے ادھر
شعاعوں نے چھڑکا اسے رات بھر

ہر اک سمت ہے کیا سہانا سماں
فرح بخش ہے کیسی تاروں کی چھاں

وہی شعلیں جلتی ہیں آب میں
وہی پھول پھولے ہیں تالاب میں

تجلی کا ہے ہر طرف گو ہجوم
مگر ماند ہو ہونے لگے ہیں نجوم

پڑی ضو ستاروں کی مدھم مگر
ابھی ہنس رہا ہے چراغِ قمر

کہیں اونگھتے ہیں تہجد گزار   پڑے ہیں کہیں مست شب زندہ دار
شعاعوں کا جھونکا جو آنے لگا   چراغِ قمر جھلملانے لگا
شفق آسماں پر ہوئی خیمہ زن   گلابی رنگا چرخ نے پیرہن
دم صبح دا نفجر پڑھنے لگا   اُجالا بھی رہ رہ کے بڑھنے لگا
پڑا بہتے پانی میں عکسِ شفق   بنی سطحِ دریا گلابی ورق
شعاعوں کی بڑھنے لگی اب بہار   بنا لالہ زارِ فلک شعلہ زار

سنہرا ہوا عارضِ چرخِ پیر
نکلنے پہ ہے آفتابِ منیر

بے نظیر

۳۴۔ نمودِ صبح

نجومِ فلک جھلملانے لگے   چراغِ سحر ٹمٹمانے لگے
وہ ٹھنڈی ہوا اور تاروں کی چھاؤں   نزولِ صفا کا وہ پیارا سماں
وہ شہنا میں ہنی کی دھن دلفریب   شہلنے سے وہ شادیانے کی زیب
کھنچے کس لیے دل نہ ہر تان پر   کہ لے کر رہی ہی اثر جان پر

سُریلی صدا ہوش کھونے لگی — ستاروں کو وحشت سی ہونے لگی

وہ بوٹوں میں کلیاں چٹکنے لگیں — وہ شاخوں پہ چڑیاں چہکنے لگیں

وہ شبنم نے چھڑکا چمن پر گلاب — نہ رہ جائے تا کوئی سرگرمِ خواب

نسیمِ سحر گُل کھلانے لگی — فضائے چمن رنگ لانے لگی

ضیا آسماں سے اُترنے لگی — نظر دُور تک کام کرنے لگی

عنادل گلستاں میں گانے لگے — طیورِ سحر دل لُبھانے لگے

وہ پَو پھٹکے والصبح پڑھنے لگی — ضیا دمبدم اور بڑھنے لگی

وہ اللہ اکبر کی آئی صدا — نہا دھو کے مسجد چلے پارسا

وہ سب اولِ وقت پڑھ کے نماز — ہوئے محوِ تہلیل با سوز و ساز

وہ مینا پہاڑی وہ کا کا توا — ہوئے آکے شاخوں پہ نغمہ سرا

ہوئی آسماں پر وہ سرخی نمود — بنا کانِ شنجرف چرخِ کبود

شعاعیں دکھانے لگیں وہ جھلک — ہوئی زعفرانی بساطِ فلک

شفق میں لپٹتی کرن ضو فشاں — گلے مل رہی ہیں بہار و خزاں

وہ زردی ذرا اور گہری ہوئی — پہاڑوں کی چوٹی سنہری ہوئی

مطلا ہوا گنبدِ ہر شجر
برسنے لگا ہر طرف آبِ زر

بینظیر

۳۵- سپیدہ سحر

ریاضِ سحر میں جو پھولی شفق ‏— ہوا رنگ تاروں کا یک بارفق

نہ وہ چشمکیں ہیں نہ وہ شوخیاں ‏— نہ وہ جھمگٹے ہیں سرِ آسماں

ستارے جو چھٹکے تھے افلاک پر ‏— وہ آتے ہیں اب جا بجا کچھ نظر

فراہم تھے پہلے جو انگور سے ‏— وہ اک اک کو تکتے ہیں اب دور سے

سحر کا جو دھڑکا ستانے لگا ‏— فلک اپنی افشاں چھڑانے لگا

ستارے جو تھے زیبِ بزمِ فلک ‏— جھپکتی نہ تھی جن کی اک دم پلک

وہ ایک ایک کر کے روانہ ہوئے ‏— سحر ہوتے ہی سب فسانہ ہوئے

مگر کچھ وہ ہیں رنگِ تزئینِ صبح ‏— چُنے گا انھیں دم میں گلچینِ صبح

سو وہ بھی ہیں کچھ جھلملاتے ہوئے ‏— ندامت سے آنکھیں چُراتے ہوئے

ستارے جو باقی رہے خال خال ‏— نہ ان کا رہا کچھ کسی کو خیال

جو تِل کی طرح جا بجا پا گیا ‏— انھیں چُن کے مرغِ سحر کھا گیا

چھڑائی تھی مہتاب۔ گردوں ذرات ‏— اسی کے یہ سب پھول تھے بے ثبات

فلک تک وہ کچھ روشنی صبح کی ‏— وہ ہلکی سی مہتاب کی چاندنی

جو نجمِ سحر بھی لجانے لگا | قمر اپنا بستر اُٹھانے لگا
شفق پھول کر رنگ لانے لگی | نئی آگ دل میں لگانے لگی
کھڑی ہی الگ شمع بھی کیا اُداس | پتنگوں کے کچھ ڈھیر ہیں آس پاس
اُڑا ہر طرف رنگِ صبحِ بہار | فلک پر کھلا ایک بیک لالہ زار
ہوا صبحِ صادق کا جس دم یقیں | تو بستر سے اُٹھنے لگے نازنیں
کوئی شاخِ گل کی طرح جھومتا | اُٹھا کوئی ساغر کا لب چومتا
اُٹھا کوئی سرگرمِ حمد و سپاس | کوئی نیند کی جھونک میں بدحواس
کسی کو کوئی گدگداتا اُٹھا | کوئی منہ چھپا کر لجاتا اُٹھا
اُٹھے شہر کے زاہد و حق پرست | اُٹھے رندِ میخانہ ساغر بدست
شبِ ہجر سے ڈرنے والے اُٹھے | شبِ وصل پر مرنے والے اُٹھے
گجرِ صبح کا غل مچانے لگا | جو سوتے ہیں اُن کو جگانے لگا
اذانوں کی آواز آنے لگی | دعا تا سرِ عرش جانے لگی

ہوا جس گھڑی کم اذانوں کا شور
اُٹھا دیر سے بید خوانوں کا شور

بینظیر

جلد اول

۳۶ - بہارِ صبح

یہ اٹکھیلیوں پر نسیمِ سحر ‏ ‏ کہ آتے ہیں جھونکوں پہ جھونکے ادھر
کھلے پھول غنچے چٹکنے لگے ‏ ‏ چمن کے چمن بُو مہکنے لگے
اُڑی پھرتی ہے آج گُل کی شمیم ‏ ‏ کھلاتی ہے غنچوں کو موجِ نسیم
یہ سبزے پہ قطرے ہیں چھائے ہوئے ‏ ‏ کہ مخمل پہ موتی بچھائے ہوئے
ہوئے برگِ گل حمد میں تر زباں ‏ ‏ خدا نے بھرا موتیوں سے دہاں
ٹپکتی ہے شبنم جو وقتِ سحر ‏ ‏ ہوئے وجد میں آ کے گریاں شجر
ہر اک شے پہ چھایا ہے جو رنگِ ہُو ‏ ‏ ہے سکتے میں آئینۂ آبِ جو
عجب وقت ہے یہ عجب یہ سماں ‏ ‏ کہ حیرت کے عالم میں ہے آسماں
سُہانی سحر یہ سہانی فضا ‏ ‏ یہ مرغانِ خوش نغمہ و خوشنوا
کہیں نغمہ زن طوطیِ خوش مقال ‏ ‏ کہیں نالہ کش بُلبُلِ خستہ حال
اُٹھی ہر طرف چہچہوں کی صدا ‏ ‏ فغانِ عنادل نے باندھی ہوا
وہ گلزار میں قمریاں نعرہ زن ‏ ‏ وہ صحرا میں فریادِ زاغ و زغن
غرض اپنی اپنی زباں میں طیور ‏ ‏ ہیں سرگرمِ تسبیحِ ربِّ غفور

جلد اوّل

یہ ہوتا ہے گردِ سحر سے عیاں
کہ آتا ہے کوئی بڑا کارواں

وہ ظلمت کا سائے میں کچھ کچھ اثر
چھپا زیرِ دامانِ گردِ سحر

یہ دیکھا ہی تھا چشمِ ادراک نے
پڑھی آیۂ فتح افلاک نے

سُنہری شعاعوں کے نیزے لئے
ہراوّل بڑھے لشکرِ صبح کے

شفق کے پھریرے اُڑے چرخ پر
شعاعوں نے گاڑے علمہائے زر

لب جو تھا گہرے کا جو کچھ دھواں
چمکنے لگیں اُس میں چنگاریاں

شعاعوں کے جاروب نے ایک بار
کیا صحنِ افلاک کو بے غبار

سُنہری شعاعوں کا عکس آب میں
کہ جوں گھر کرے قلب بیتاب میں

چمک کر دکھاتا ہی یہ صاف صاف
کہ آئینے کا ہے بسنتی غلاف

یہ نہروں میں عکسِ شفق کا نشاں
لگی آگ پانی میں اللہ کی شان

شعاعوں کی پانی پہ چنگاریاں
ہیں سطحِ بلوریں پہ گلکاریاں

درختوں کے سایہ کا حوضوں میں دخل
کہ شیشوں میں ڈھالے زمرد کے نخل

کھڑے ہیں خموش اب شجر صف بصف
کہ عالم ہے سناٹے کا ہر طرف

بینظیر

جلد دوم

۲۷۔ طلوعِ آفتاب

چڑھا دن۔ کرن چلبلانے لگی
کڑی دھوپ تیزی دکھانے لگی
کمندِ شعاعی پکڑ کر شتاب
سرِ بام وہ چڑھ گیا آفتاب

بے نظیر

۲۸۔ صبح کی چہل پہل

مہر کی لو سورج نے نظر کی
کایا پلٹی دنیا بھر کی
شہر میں دیکھو کوئی گرہستن
دھوتی ہی بیٹھی گھر کے برتن
کوئی اُٹھی ہے جھاڑو دے کر
جھاڑ رہی ہے کپڑے بستر
بچوں کا منہ اک نے دُھلا کر
رکھ دیا آگے ناشتہ لا کر
لڑکوں نے لے بغل میں بستہ
گھر سے لیا اسکول کا رستہ
میں آ۔ تو آ۔ یہ آ۔ وہ آ
لگ گئی بازاروں میں رچنا
گھوڑا۔ گھی۔ ٹمٹم۔ یکہ
شکرم۔ تانگا۔ بہلی چھکڑا

جس کے جدھر ہیں سینگ سماتے آتے جاتے نظر ہیں آتے
بائی سکل پر کوئی چڑھا ہے پیدل کوئی آگے بڑھا ہے
منشی ۔ بابو فیشن ایبل دیکھ رہے ہیں ٹائم ٹیبل
لیس ہوئی ہے خلقت ساری کاروبار کی ہے تیاری

کوئی کہاں تک لکھتا جائے
کوزے میں دریا کیسے سمائے

سیّد علمدار حسین

۳۹ ۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے

جلد اول

درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں　　مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی　　زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ　　ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ
امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

اسمٰعیل

۴۰۔ گرمی کی شکایت

جوش ہے یہ بہار میں اس سال　　لب جو پر ہے عکس کا تبخال
لا لے کے ہر چراغ پر اس آن　　لٹ رہوئیں کی ہے شاخ نافرمان
جل گئیں بیلیں رہ گیا ہے کاٹھ　　روشنی کا سا دار سیت ہے ٹھاٹھ
بوند کو دل صدف کا ترسے ہے　　ابر نیساں سے آگ برسے ہے
اب زمیں پر زبس پڑے ہے دھوپ　　سرسوں کے کھیت کا سا ہے کچھ روپ
سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ　　قرب سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ
خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال　　طفل کو مشک دو جواں کو پکھال

تو بھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں
پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں
پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو اب
شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب جلاؔل
رات سووے زمیں پہ جو انسان
کروٹیں یوں لے جوں توے پر نان
پسّو جب کاٹے تب وہ مارے ہاتھ
سر و سینہ کو پیٹے ساری رات
گرمی پڑتی ہے یا خدا کا قہر
کیا کہوں تجھ سے میں کہ شہر بہ شہر
پادشاہوں کی پادشاہی ہے
آگ بیتال کی دہائی ہے
غیر تہہ خانہ جائے امن نہیں
اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

سودا

۴۱- گرمی کا موسم

آج کل کچھ گرم ایسا ہو گیا ہے آفتاب
آرہا ہے یاد لوگوں کو قیامت کا عذاب
جس کو دیکھو اپنے بستر پر پڑا ہے بیقرار
بے بسی میں لے رہا ہے کروٹیں سیماب وار
ہے کسی مضطر کے سر پر تولیہ بھیگا ہوا
دے رہا ہے کوئی منہ پر اپنے چھینٹا آب کا
ہے کسی تفتہ جگر کو ٹھنڈے پانی کی تلاش
برف کی رکھے ہوئے ہے کوئی منہ میں اِک قاش

آگ کی مانند پنکھے سے نکلتی ہے ہوا
یاد کش کو شعلہ کش گرمی نے بالکل کردیا

راستے میں دھوپ کے جو پڑ گیا پامال ہے
تاب دوزخ سے مشابہ ہے یہ لُو کا حال ہے

اُس کے معمولی تھپیڑے میں نکل جاتا ہے دم
ایسی حالت میں کوئی باہر نکالے کیا قدم

ہو گئی ہے جان کو ہر وقت کی آندھی عذاب
گرد کے مارے نظر آتا ہے سارا گھر خراب

آسماں پر یاالٰہی آگ کیسی لگ گئی
ہوتی رہتی ہے جو یوں بھوبھل کی بارش ہر گھڑی

شدت گرمی سے سونا ہو گیا قطعاً حرام
دیکھیے ہوتا ہے کب تک اس بلا کا اختتام

کیا کہیں کس بیقراری سے بسر ہوتی ہے رات
لُو کی آفت سے نہیں اس وقت بھی ملتی نجات

ہو نہیں سکتا ہے اس آفت میں ادنیٰ کاروبار
موسم باراں کا بیحد ہو رہا ہے انتظار

دیکھیں ہادی کب بدلتا ہے فلک کا انتظام
دیکھیں کب لاتی ہے بارش زندگانی کا پیام

ہادی

۴۲- گرمی کی شدت

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ بار دار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے
شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

انیس

۳۴۔ گرما

گرمی کا ہوا ہے گرم بازار
جینے سے ہوئی ہے روح بیزار
دیکھو جسے رنگِ چہرہ فق ہے
گرمی سے بدن عرق عرق ہے
لالی چہرہ پہ وہ نہیں ہے
نیلم لبِ لعلِ نازنیں ہے
تسکین پیاس کو نہیں ہے
استسقا ہونے کا یقیں ہے
گرمی انیس کہ بے سری ہے
کیا خاک اُڑاتی سر چڑھی ہے
پانی کے عوض زمیں پہ بارے
گردوں سے برستے ہیں شرارے

جلدِ اوّل

کیسا ہی مکان کو بناؤ | اور خس کی بھی ٹٹیاں لگاؤ
چھڑکی جائیں وہ گو مادم | اور پنکھے بھی چل رہے ہوں پیہم
ہو دھوپ کا بھی بچاؤ ہر چند | رخنے ہوں شعاع آنے کے بند
پانی کی صراحیاں بھری ہوں | اور برف کی قلفیاں دھری ہوں
سامان طرب ہوں سب میسر | پر چین کہاں جو پائیں دم بھر
جب بادِ سموم آئی سن سے | سنّاٹے نکل گئے بدن سے

رہنے کا کہاں رہے ٹھکانا
تنّور بنے جو سر دِ خانا

سید احمد عاشق

۴۴ - گرما

ہوا میں تمازت کا ہے یہ اثر | کہ اُڑتے ہیں ذرّے برنگِ شرر
نہ سایہ نہ سبزہ نہ پانی کہیں | دہکتی ہوئی وہ رتیلی زمیں
وہ لُو اور گرمی خدا کی پناہ | کہ ریگِ بیاباں کی حالت تباہ
زمیں پر اگر رکھدے لا کر کوئی | بھری مشک بھی سوکھ جائے ابھی

ذرا بھی اگر اس طرف کو اُٹھے تو پائے نگہ میں پڑیں آبلے
پرندوں کا ہو اس طرف جو گذر
بلندی سے بھُن کر گریں خاک پر

بینظیر

جلد اوّل

۴۵۔ شب گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت وہاں آ کے بیٹھا وہ فرخندہ بخت
لگا سامنے آ کے دستار خوان بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں
فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب
برابر، برابر بچھے تھے پلنگ پڑیں چادریں اُن پہ مہتاب رنگ
فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے
چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا کہ سورج کا منہ کر دیا ماند تھا
اِدھر چاندنی نور پھیلا رہی سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی
وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری
پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا کہ بیٹا تھا شکّر لپیٹا ہوا

جلد اوّل

پدر تھا جو تاریخ کا رازداں | سُناتا تھا ہر دم نئی داستاں
دیا یہ مزہ اِن حکایات نے | کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے
ہَوا آ کے پنکھا ہلانے لگی | ہر اک کو غرض نیند آنے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے | دوپٹے لئے تان اور سو رہے
بیاں کیا کروں رات کی شان کا | زمانہ میں عالم ہے سنسان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں | نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں
پڑے سوئے سب ایسے مدہوش تھے | کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے
درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوائیں | زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
شبِ تار بھی نیند میں آن کر | سیہ چادر اپنی پڑی تان کر
ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے | اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحرگاہ کا | ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں | تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہو گیا | چراغِ سحر جاں بحق ہو گیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے | دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے
لگے بولنے سب سحر کے طیور | گئی اِن کی آواز نزدیک و دور

وہ لڑکا تھا جو بسترِ خواب میں — ستارہ ہو جوں چادرِ آب میں

جلدِ اوّل

اُٹھا کر کہا اُس نے تکیے سے سر

سلامٌ علیکم مبارک سحر

آزاد

۴۶۔ آندھی

سُرخ آندھی بھی کیا قیامت ہے — قہر ہے اِک بلا ہے آفت ہے
ہوتا ہی کیا مہیب نظارا — خون بن جاتا ہے اُفق سارا
گرد کا شامیانہ تنتا ہی — اک نیا آسمان بنتا ہی
ہرہراہٹ کی اک صدا اُٹھکر — کرتی ہے سب کو پہلے ہی سے خبر
شور کرتی ہوئی جب آتی ہے — سر پہ دونوں جہاں اُٹھاتی ہے
راہ میں سب کے پیچھے پڑتی ہے — مل گیا جو اسی سے لڑتی ہے
سخت جھونکے جب اس کے سہتے ہیں — پاؤں چلنے میں ڈگمگاتے ہیں
خوف کھاتے ہیں بحر و بر اس سے — کانپتے رہتے ہیں شجر اس سے
کہیں رونق چمن کی کھوتی ہی — جا کے کشتی کہیں ڈبوتی ہے

جلد اول

باغ کو کرتی ہے خراب اک لخت بیخ و بن سے اکھاڑتی ہے درخت
پوری طاقت پہ جب یہ آتی ہے چلتی ریلوں کو بھی گراتی ہے
کہیں کھپریلوں کو گراتی ہے چھپروں کو کہیں اڑاتی ہے
گھر پہ ہوتے ہیں اس کے جب حملے رہنے پاتے نہیں بجا گملے
پیٹتی ہے کواڑوں کو آ کر توڑ دیتی ہے شیشوں کو اکثر
کہیں گلدان میز سے پھینکا کہیں ٹکڑے آئینہ کو کیا
کہیں تصویر آ کے جھڑ سے گری چھن سے ٹوٹی کسی جگہ چمنی
یہ گئی ٹوپی وہ گیا رومال بس میں رکھنا ہے ان کا سخت محال
ریت کے ذرے منہ میں آتے ہیں دانت رہ رہ کے کرکراتے ہیں
سر پہ بالوں کی ہے عجب حالت جس کو دیکھو ہے بھوت کی صورت
کوئی کپڑوں کو جھاڑتا ہے کھڑا آنکھیں رہ رہ کے ہے کوئی ملتا
جان کیوں کر نہ اس سے ہو بیزار گرد کا ہر طرف ہے اک انبار
نہ دری کا پتا نہ قالیں کا خاک کا فرش ہر طرف ہے بچھا

جب یہی آئے دن کا قصہ ہے
اس کا ہادی فضول رونا ہے

ہادی

۴۷ - گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں اور آگ سی لگ رہی تھی بَن میں
سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے اور ہانپ رہے تھے چار پائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سُست گھڑیال تھے رود بار میں سُست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
طوفان تھے آندھیوں کے برپا اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا
آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے شعلے تھے زمیں سے نکلتے
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک پانی کی جگہ برستی تھی خاک

جلد اوّل

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی وہ بادِ سموم سے سوا تھی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک جانداروں پہ دھوپ کی تھی سنک
ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی تہ خانہ میں مُنہ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جن کی دن رات بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہات
خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور مراقی گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنہیں مزہ کچھ آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بِن کھائے کئی کئی دن اکثر رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے سر پیٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچوں کا ہوا تھا حال بے حال کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم تھے پانی کو دیکھ کرتے مَم مَم
پانی دیا گر کسی نے لا کر پھر چھوڑتے تھے نہ مُنہ لگا کر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری　　پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور　　پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے　　پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

حالی

۴۸۔ آندھی

درختوں پہ سناٹا پیدا ہوا　　غبار ایک جانب ہویدا ہوا
ہوا میں بڑھا جبس شورش بڑھی　　یکایک مگر کوئی ندی چڑھی
کہ اتنے میں جھونکے بھی آنے لگے　　درختوں کی گردن جھکانے لگے
بنا صحنِ محشر کا تختہ وہ بن　　گرے دُور جا جا کے نخلِ کہن
غضب کی قیامت کی آندھی چلی　　کہ رفتار سے رُک گئی ریل بھی
زمین و فلک پر یہ چھایا غبار　　کہ یہ وقت ہی رشکِ شب ہوگئے تار
یکایک جو کڑکا ہوا برق کا　　تو دی رعد نے بھی گرج کی صدا

بڑے زور سے مینہ برسنے لگا　کسی کے لیے جی ترسنے لگا
وہ سیلاب صحرا وہ ٹھنڈی ہوا　اِدھر اور اُدھر خوب پانی بھرا
اسے فضل میں دیر لگتی نہیں،
نہ ہو اس سے مایوس کوئی حزیں

بےنظیر

۴۹۔ نمودِ ابر

ہوا جب جلوہ پیرا خوشنما ابر　پکار اُٹھے سبھی احسنت یا ابر
نہ ہو کیوں دل کو ٹھنڈک جسم کو نور　چمکتی برق ہے اور چھا رہا ابر
نضارت بڑھتی جاتی ہے بدن میں　چلا آتا ہے جوں جوں جھومتا ابر
مزے کیا لے رہی ہے روح اپنی　برستا ہے عجب یہ جاں فزا ابر
نکلتے تھے شرارے جس زمیں سے　وہ ہے اب سبزہ زار پُر فضا ابر
کیے مٹی سے کیا حشرات پیدا　یہ اعجازِ مسیحائی کیا ابر
نشاط اب مانگ لے حق سے دعا تو
وہ رحمت ہے جو ہے یہ گھرا ابر

نشاط

۵۰- آمدِ ابر

گھٹا اودی اودی ہی کیا چھا گئی
بہارِ چمن رنگ پر آگئی

پروں کو اُدھر مور تولے ہوئے
گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے

وہ کوئل غضب نے بجاتی ہوئی
پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی

ہوا دوش پر شال ڈالے ہوئے
گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے

گھٹا میں وہ بگلوں کی ہر سو قطار
کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار

سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر
رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر

یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی
سڑک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی

زمین و فلک پر ہے مستی کا شور
گرجتے ہی بادل کے چلّائے مور

کبھی ابر گریاں۔ کبھی خندہ زن
ہے دیوانے کا سُوانگ چرخِ کُہن

فلک پر گرجتا ہے ابرِ مطیر
زمیں پر نہ کیوں رند گائیں کبیر

بینظیر

جلد اوّل

۵۱۔ روانیِ ابر

یہ باریک بوندیں یہ گہری گھٹا
یہ سبزہ خنک اور ٹھنڈی ہوا

درختوں سے طائر اُڑیں کیا مجال
پُھہاروں نے ڈالا ہی جالی کا جال

یہ نشو و نما کی سبک خیزیاں
نسیم و صبا کی دل آویزیاں

چمن کو گھٹا کا رسالا چلا
کہ لد کر صبا پر اُٹا لا چلا

گرج بادلوں کی سُناتی ہوئی
بہار آئی ڈنکے بجاتی ہوئی

ٹھہرنے کا جو نام لیتا ہے آج
اُسے گھرکیاں رعد دیتا ہے آج

جو کرتا ہے شوخی کچھ ابرِ رواں
لگاتی ہیں کوڑے اُسے بجلیاں

گھٹا رقص پر دارِ مستی ہے آج
کہ موروں پہ آوازے کستی ہے آج

بلندی کو نظروں میں تولے ہوئے
یہ پریاں اُڑیں بال کھولے ہوئے

ہر ایک اپنی رفعت دکھانے لگی
کہ گردوں میں تھگلی لگانے لگی

ہوا چٹکیوں میں اُڑاتی ہوئی
انھیں اُنگلیوں پر نچاتی ہوئی

گرج شور تحسیں اُٹھائے ہوئے
نویں آسماں پر چڑھائے ہوئے

یہ سرگرم زینت فروشی گھٹا
کہ آنچل لٹکنے نہ پائے ذرا

مگر زورِ مستی سے چلتا نہیں
ہوا میں دوپٹہ سنبھلتا نہیں
گھٹا کو ہے بس عشرت بجاتی ہوئی
سلامی کی توپیں چلاتی ہوئی

سیہ مست بادل جو چھائے ہیں آج
یہ پابوسِ ساقی کو آئے ہیں آج

بینظیر

۵۲- رونقِ بارش

جو سوکھی زمیں پر ترشّح ہوا
نکلتی ہے بو سوندھی سوندھی سی کیا
گرجتے ہیں بادل چمکتی ہے برق
ہوا صحن کا صحن پانی سے غرق
گئی نیند اُچٹ پانی کے شور سے
بہی جاتی ہیں نالیاں زور سے
ٹپکتی ہے بنگلے کی وہ اولتی
کہ ہے تارِ سیمیں کی چلمن پڑی
ہوا زور سے چلتی ہے بار بار
پہنچتی ہے کمروں کے اندر پھوہار
بنا ہے جو وہ ٹین کا سائباں
ہے اس وقت ارگن کا اس پر گماں
عجب لے سے پانی برستا ہے آج
کہ زاہد بھی مے کو ترستا ہے آج
چٹانوں پہ کیا لطف نظّارہ ہے
کہ جو بوند ہے ایک فوّارہ ہے

جلد اول

صبا کے طبلچے جو کھائے ہیں آج
تو پودے سروں کو جھکائے ہیں آج

چلی آتی ہے بدلیوں کی قطار
ہوا کے ہیں گھوڑے پہ بادل سوار

دھواں دھار اس وقت چھایا ہی ابر
فلک پر سیہ مست آیا ہے ابر

اُٹھی شاخِ گل سبزہ کو چوم کر
یہ مستی ہی کیا کیا گھٹا جھوم کر

ہیں آراستہ سبز پوشانِ باغ
ہوا غسل سے ہر شجر کو فراغ

یکایک رُکی بوند ٹھیری ہوا
نظر آتی ہے اور ہی کچھ فضا

تر و تازہ ہر نخل ہے شاد کام
لبالب ہیں پانی سی تھالے تمام

وہ باغوں میں جھولے پڑے جھینٹا
وہ ساون بھی گانے لگے گلعذار

وہ آموں کے اشجار پر سامنے
کوئی کوکتا ہی بڑے زور سے

یہ ہی اس صدا کا اثر کان پر
کہ دل لوٹ جاتا ہی ہر تان پر

اِدھر کہہ رہی کوئی "پی کہاں"
سُنا یہ تو قابو میں پھر جی کہاں

کہیں کوئی چلا رہی کہ ہاں
ذرا دیکھنا اس گھڑی کا سماں

پروں کو سمیٹے ہوئے وہ طیور
درختوں پہ بیٹھے ہیں کیا دُور دُور

بینظیر

۵۳- برکھا رُت

گرمی کی تپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کے لیے کتابِ عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاونی سی چھاتی
اک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جب کہ باڑ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہے زمیں پر ڈیرا
گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں ۔ جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی ۔ قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر ۔ اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت ۔ کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور ۔ ہے چار طرف برس رہا نور
بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار ۔ اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی ۔ عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار ۔ دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل ۔ ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو ۔ اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی ۔ گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے ۔ سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر ۔ کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقوے ۔ یا ربّ لنا و لا علینا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا ۔ کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے اور بانسریاں بجاتے پھرتے
سَرون کوئی گا رہا ہے بیٹھا چھیڑا ہی کسی نے ہیر رانجھا
رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھشا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا،

کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں جھولے ہیں کہ سو بسو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی،
اِک سب کو کھڑی جُھلا رہی ہے اِک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اِک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

جعفر علی

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چھلکے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اڑ رہے ہیں اوسان بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

منجھدھار کی رو یہ زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

حالی

۵۴۔ برکھا رت

اٹھ ساقی برکھا رت آئی بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
اڑیں ملاریں گرڑے ہنڈولے گائیں سکھیاں پپہے بولے

رات کو جھینگر پھونکے نفیری دن کو ساون گائے بھنبیری
کہیں پوربیئے آلھا گائیں جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے کجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل سارے درخت ہیں تاڑا منڈل

اگلا جھولے بگلا جھولے
کریا ماس کریلا پھولے

علی یل کنتوری

۵۵- برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی ہوا میں بھی اک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی تو بے جان مٹی میں جاں آگئی
زمیں سبزے سے لہلہانے لگی کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل عجب بیل پتے عجب پھول پھل
ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا — کہ جنگل کا جنگل ہرا ہوگیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا — وہاں آج ہی گھانس کا بن کھڑا
ہزاروں پُھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹّی کے پر

اسمٰعیل

۵۶- برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل تو بر تو — بوندا باندی کبھی پُھوارا اور کبھی دھڑادھڑ و
جنگل جنگل کوسوں جل تھل گویا ساگر تھال — ٹیلے ٹھٹی گھور اور مینڈھے ٹاپو کی تمثال
جھیلیں، تال، تلاؤ، تلیئیں جیسے چھلکتا جام — سڑکیں، لیکھیں، باٹ، ڈنڈیئیں ندیاں بنی تمام
تیز ہوا کی ٹکّر کھا کر جھیلوں میں اِک جوش — لہریں چکّر بھنبور بٹاریں اُٹھتی دوش بدوش
لانبے پل کیا چھوٹی پُلیئیں ڈانوں تک بھرپور — پلٹیں کھاتا جھاگ اُڑاتا پانی کرتا شور
جھاڑی بوٹی روکھ اور پودے اونچے نیچے پیڑ — بِچھ بِچھ جاتے جھاسے کھا کر موج ہوا کی ایڑ
ایک تو بوندی کی موسلا دھاریں پھر پُروا کا زور — کھیت گرے سر کا کے جیسے دُم گرائے مور
سارس، بگلے، بط، مُرغابی، مور اور پپیہے ہزار — اُڑتے اِک اِک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں تیریں اُچھلیں کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے ان کے پَر پُرزوں کا زور

حافظ علی

جلال مراد آبادی

۵۷- بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابر سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگے
داستانِ قلزم و عماں کو دُہرانے لگے

جھوم کر اُٹھی گھٹا برسی برس کر پھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے مُنہ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید اس طرف چھننے لگا
سائبانِ قوسِ قزح کا اُس طرف تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن
تھا مہابن کا ہر اک گوشہ ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب
تھی شفق کی اس کے مُنہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دل فریب
ہاتھ سے جاتا رہا دل میری اور دل شکیب

عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

ظفر علی خاں

۵۸۔ فضائے برشگال

اُٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہی ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جھمگٹ کنارِ آبِ رواں
کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھبن میں کوئی سُندر نار

ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اُڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

سرور جہان آبادی

۵۹۔ فضائے برشگال

ذوقِ مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اور لے اُڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

ابر و ریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دخترِ رز — ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی
رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو عروسانِ چمن — پی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی
مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اٹھے — وصل کے دن آ گئے فصل آ گئی کیا برسات کی

ساقیا جام و سبو سے ایسی آرائش بڑھے
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

امیر

۶۰۔ ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو — دو ہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوشِ خروشِ رعد نے یہ دھوم دھام کی — ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپ تڑپ کی دکھانے لگی چمک — رونق ہوئی دوچند ہر اک برگ بار کو
کچھ لگ رہا ہے ابر سپید و سیاہ و سرخ — مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

انشا

جلد اوّل

۶۱- ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر — اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی — سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی — اور ان کے ساتھ ساتھ ہی آتی شمیم بھی
مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا — جُھک جُھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز — سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
ان سبز سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے — طوطے بہ رنگ طائرِ بسمل ہیں لوٹتے
شبنم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی — موتی بکھیرتی ہے جواہر لٹا رہی
پتوں پہ آبِ رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں
لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پہ آ گئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے
کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے — برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے
لیکن یہ یا جرا سا برسنا پھوار کا — ہیگا پیام ابرِ بہاری کے تار کا
بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے — وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تھالے چھلک رہے

آبِ رواں کا نالیوں میں لہرارنا
اور رُوئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا

گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے
اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے جلد اوّل

جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب آب کے
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں
آپس میں بولی بول کے کرتے کلول ہیں

کوئل کا دُور دُور درختوں پہ بولنا
اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا

طاؤس کا وہ دُم کو چنور کر کے ناچنا
اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا

لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہے
اک قہقہہ بہ طنز لگاتا چکور ہے

املی کے اک درخت میں جھولا پڑا ہوا
اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا

جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بچے آم کے ہیں پپیئے بجا رہے

ساون کے گیت اُٹھا رہے طوفاں دلوں میں ہیں
پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں

پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر
جس کی کہ میکشی نہیں موقوف جام پر

مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی
مستانے ساتھ رکھتا ہے دو چار اور بھی

سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے
اور دمبدم یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دنوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

آزاد

جلد اوّل

۶۲۔ برسات

رُت ہے برسات کی بہت پیاری
موجزن جھیلیں ندیاں ساری

کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب
کر رہے ہیں نظر کی دلداری

بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پہ
زرد، اودی، سنہری، زنگاری

کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے
سبز مخمل سے ہی سوا پیاری

ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
جن سے شرمندہ باغ کی کیاری ہے

۶۳۔ لطفِ برشگال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات
جی اُٹھے زمیں کو سب نباتات

چلنے لگیں دل کشا ہوائیں
اُٹھنے لگیں جُھوم کر گھٹائیں

اُمڈے ہیں عجیب دھج کے بادل
برسے وہ گرج گرج کے بادل

کوئل کی صدا، پپیہوں کا شور
پر کھول کے ناچتے ہوئے مور

سرسبز وہ جنگلوں میں جھاڑی
سبزہ ہی ڈھکے ہوئے پہاڑی

خودرو پھولوں کی شوخ رنگت
بھینی بھینی وہ مست نکہت

ہے کیسی نظر فریب و مرغوب
نازک نازک ہری ہری دوب

خوش پھر رہے ہیں چرند چرتے
ہیں چوکڑیاں غزال بھرتے

جلد اول

عزیز

۶۴- برق و باراں

بن گیا ہے کرۂ تاریک بالکل آسماں
بادلوں کو دیکھ کر دل کہہ رہا ہے الاماں

غیر ممکن ہے گرج سن کر کوئی گھبرا نہ جائے
قہر برپا کر دیا ہے بادلوں نے ہائے ہائے

ہو گیا ہے برقِ سوزاں کا فلک پر اقتدار
جھاڑتی پھرتی ہے ظالم ہر طرف اپنا شرار

کوندتی ہے اس طرح ہو ہو کے ہر دم بیقرار
چل رہی ہے تیغ گویا آسماں پر بار بار

ہر طرف معلوم ہوتی ہے لگی اک آگ سی
اللہ اللہ اس قدر سرعت یہ آئی وہ گئی

کیا تعجب ہے دہلتی ہے جو رہ رہ کر زمیں
اڑ گئی ہے آج شاید آسماں کی میگزیں

دفعتًہ آتی ہے پھر اک ہر ہراہٹ کی صدا
دور کے کھیتوں میں ہے بالکل دھواں چھایا ہوا

رفتہ رفتہ یہ دھواں نزدیک بالکل آگیا | بڑھ گئی پہلے سے بھی اب ہر ہراہٹ کی صدا
جلد اول دیکھتے کیا ہیں کہ بارش سر کے اوپر آگئی | ہر طرف پڑنے لگیں بوندیں پٹاپٹ زور کی
دیکھ کر یہ طفل بیرنا پیر سب مسرور ہیں | یاس و غم ان کے دلوں سے اب تو کوسوں دور ہیں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے ہر طرف لبریز ہیں انسان کے

ھادی

۶۵- برسات

آئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سو | آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اڑ کر
کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دلکش | ہو کے خوش موروں نے بھی ناز سے پھیلا دیے پر
فاختہ دید میں ہی سرو سہی کے مشغول | مسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر
بھونرے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی | آ کے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر
بال سنبل کے جو الجھے ہوئے پائے اس نے | شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آ کر

آئی برسات ہرے پھر ہوئے دل کے یہ زخم
باغ میں پھر ہے جنوں خیز ہواؤں کا گزر

نہال عظیم آبادی

جلد اوّل

۶۶ - برسات

اُمڈ کے آئی ہے گھٹا، سیاہ چھائی ہے گھٹا
جو فرق ہے تو نام میں سحر میں اور شام میں
غضب ہے رعد کی کڑک رہا ہے جس سے دل دھڑک
جھڑی لگی ہے زور کی
کچھ انتہا ہے شور کی

وہ ہو رہا ہے شور کچھ وہ جا رہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم یہ کیسے ہو گئے بہم
ہے ایک بیچ میں کھڑا عجب ادا سے ناچتا
جو تال سم میں مل رہی
تو سارے پر ہیں ہل رہے

کہیں جو لال ابر ہے وہ مایہ سوز صبر ہے
ہے آہ کتنی دل رُبا فلک میں سُرخیِ حنا
ہے جس کا عکسِ خوشنما پکھیروں زمیں پہ پڑ رہا

کہ ہے نگاہ عام میں
سحر کا لطف شام میں

سحر

جلد اوّل

۶۷۔ برسات

رُت ہی برسات کی بہت پیاری — موج زن جھیلیں ندیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب — کر رہے ہیں نظر کی دلداری
کیا ہری دُوب جنگلوں میں ہی — سبز مخمل سے ہے سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے — جن سے شرمندہ باغ کی کیاری
ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں — رُوح پر ہوتی ہی خوشی طاری
سوندی سوندی زمین کی مٹی، — بھینی بھینی چمن کی بو پیاری
کوکلہ بگلہ کوئلیں طاؤس — اپنی تانیں سُناتے ہیں پیاری
قازیں مُرغابیاں بطیں سُرخاب — جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری
شفقِ سُرخ رنگ لائی ہے — لالہ گوں ہے سپہر زنگاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر — زرد، اودی، سُنہری زنگاری

سیر مچھی بھون کی چل کر دیکھ کیا نمایاں ہے قدرتِ باری
مچھلیوں کی چمک میں ہے چھل بل
جیسے رقصاں بتانِ فرخاری

میر

۲۸۔ برسات

پرندوں نے ہر سو مچائی ہے دھوم کہ آئے ہیں بادل سیہ جھوم جھوم
جو پر اپنے پھیلا کے ناچے ہے مور تو مینڈک نے پانی میں ڈالا ہے شور
پپیہوں کی پی پی وہ کوئل کی کوک کلیجے سے عاشق کے نکلے ہے ہوک
جہاں سارا دم بھر میں جل تھل ہوا
کہ اک چادرِ آب جنگل ہوا

طور

جلد اوّل

مستانہ اُٹھیں بڑھیں اُمنڈ کر — آفاق پہ چھا گئیں سراسر
دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں — دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں
بارش کا جو تار لگ گیا تھا — رحمت کا پیام لا رہا تھا
قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے — فوّارے کروڑں چھوٹتے تھے
مخلوق کے دل کو چین آیا — خوش خوش ہی ہر ایک پیر و برنا
اطفال بہم نہا رہے ہیں — پانی کی خوشی منا رہے ہیں
رحمت کا نزول ہو چکا ہے — سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے
ہر شاخ نہا نہا کے نکھری — قدرت نے کیئے نثار موتی
ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا — ہر برگ سے زندگی ہویدا
آواز پپیہا دے رہا ہے — خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے
عشاق کا دِل ہے محوِ تاثیر — سناٹے میں دشت مثلِ تصویر
فریاد میں دردِ دل نہاں ہے — مفہوم فغاں سے "پی کہاں" ہے
اس زور سے چیختا ہے پیہم — رہ جاتا ہی چپ وہ ہو کے بیدم
کوئل وہ نظیرِ قیس و لیلیٰ — جان سوختہ سانولی سلونی
پُرسوز گداز اس کی آواز — مجبوروں کے دردِ دل کی ہمراز

گلزار ہیں باغ اس کے دم سے	پُر کیف دماغ اس کے دم سے
چوپایوں کے صاف ستھرے گلّے	رمنوں میں اِدھر اُدھر ہیں چرتے

سبزے میں سفید اور کالے
بھاتے ہیں نگاہ کو وہ کیسے

حسرت

۷۲۔ برسات

پانی کھلا ہے اس دم برس کر	دیکھیں تو چل کر جنگل کا منظر
اچھا نظر ہے قدرت کا جلوہ	چاروں طرف ہی سبزہ ہی سبزہ
کیسی ادا سے بہتے ہیں جھرنے	پانی کی موجیں نکلی ہیں بھرنے
پانی میں کیسی دولت بہا دی	قدرت نے سیرِ چمن ندی گلادی
گرتا چٹانوں سے کیسے اُچھل کر	گودی میں سبزہ کی جاتا مچل کر
جاتا تو یوں کوئی سُن گن نہ پائے	سبزہ کی چادر سے منہ کو چھپائے
پانی کے تھمنے سے پھیلا اُجالا	سورج نے پردہ سے منہ نکالا
اُٹھ کر چلے ہیں پانی کے مارے	نالوں کو پھاندا پہنچے کنارے

کب تک نہ بھیگے خود کو سنبھالے
سر پر کھڑے ہیں بھادوں کے جھالے

فقیر

۷۳۔ برسات کی بہار

برسات ہے۔ کیا بہار آئی
قدرت نے دکھائی کبریائی

ہے ابر سیہ فلک پہ چھایا
رُت بدلی۔ نیا سماں ہے آیا

اب فتح کے بج رہے ہیں باجے
دنیا میں ہیں میگھ راج راجے

اس فتح کی کو بکو ہے شادی
عشرت کی ہے چار سو منادی

سبزہ ہے اُگا روش روش پہ
قدرت نہیں خار کو خلش پر

قطرے شبنم کے کیا پڑے ہیں
ہیرے لماس پہ جڑے ہیں

سبزہ نہیں لہلہاتا بن بن
نکلا ہے زمیں کا پھوٹ جوبن

جب سے پیک صبا نے آ آ
مژدہ ہے بہار کا سُنایا

غنچے آپس میں مسکرائے
بیساختہ گل بھی کھلکھلائے

پھولے لیسے خوشی میں آکر
جامے سے نکل پڑے ہیں باہر

باندھے ہوئے شبنمی عمامہ   پہنے ہوئے سرخ و سبز جامہ
گل مثلِ عروس ہیں سراپا   اور برگ بنے ہوئے ہیں دولھا
طاؤس جنوں کیے ہوئے دم   ہے رقص میں بیخودی سے وہ گم

بھینی بھینی شمیم خوش بو
ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم ہر سو

سید احمد عاشق

۴۷۔ جوشِ بارش

کچھ عجب بارش نے آ کر جوش پیدا کر دیا
جس طرف دیکھو وہیں ہے غول بچوں کا کھڑا
کودتا ہے شوق میں ہو ہو کے کوئی بیقرار
خود بخود کوئی پھسل کر گر رہا ہے بار بار
مل رہا ہے کچھ اسی تفریح میں اس کو مزا
ایک کو چاروں طرف دوڑا رہا ہے دوسرا

ہر طرح کی ان میں باہم ہو رہی ہے دل لگی،
مار دیتا ہے کسی کو بے خبر پاکر کوئی
دوسرے کا ایک پر جس وقت چل جاتا ہے داؤں
بے تحاشا کھینچ لیتا ہے پکڑ کر اس کا پاؤں
ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے آج ہیں لبریز ہر انسان کے
گا رہے ہیں مست ہو ہو کر ترانے شوق کے
چہلیں کرتے پھر رہے ہیں ہر طرف چھوٹے بڑے

ہادی

۷۵۔ کثرتِ بارش

کیا کہوں اب کے کیسی ہی برسات — جوشِ باراں سے بہ گئے ہیں پات
بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال — چرخ گویا ہے آب در غربال
جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں — یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں
وہی یکساں اندھیر برسے ہے — آسماں چشم وا کو ترسے ہے

ماہ و خورشید اب نکلتے ہیں تارے ڈوبے ہوئے اچھلتے ہیں
روز و شب یہاں ہمیشہ جھمکا ہے ان دنوں رنگ برق چمکا ہے
ابر رحمت ہی یاکہ زحمت ہی ایک عالم غریق رحمت ہے
نہ ہے جلسہ نہ ربط یاراں ہی شہر میں ہے تو باد و باراں ہی
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں مردم آبی پھرتے چلتے ہیں
ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ پانی ہی جس طرف کو کیجئے نگاہ

لکھے کیا میر مینہ کی طغیانی
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

میر

۷۶- بادل کا کھلنا

چھٹا ابر ہیں دھوپ کے کچھ نشاں پرندے بھی ہونے لگے پر فشاں
وہ ہر شاخ پر کوئلیں بار بار اڑاتی ہیں بیٹھی ہوئی کیا ملار
ادھر سے اٹھا لو پپیہوں کا شور ادھر تانیں کیا کیا لگاتے ہیں مور
ہے قوس قزح چرخ پر جلوہ گر ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

ہوئی شوخ ہر رنگ کی اب بہار ۔ دھنک میں شعاعیں ہوئیں آشکار
پڑیں زرد کرنیں وہ ہر برگ پر ۔ زمرّد پہ چڑھنے لگا آبِ زر
ہوا سے ہٹی ابر کی جو نقاب ۔ یکایک ہوا جلوہ گر آفتاب
نہ وہ سیل ہے اب نہ اب وہ گھٹا ۔ بھری ہیں مگر نالیاں جابجا
شکایت ہے گلیوں میں کیچڑ کی عام ۔ ہیں پر صاف بستی کی سڑکیں تمام
یہ سب دیکھتے تھے جو لیٹے ہوئے ۔ چلے اب وہ دامن سمیٹے ہوئے
ہوئی رونقِ تازہ ہر کارہیں ۔ نکلنے لگے لوگ بازار میں
کسان اور دہقان بایک دگر ۔ کدال اور ہل رکھ کے خود دوش پر
وہ بیلوں کو اپنے ہنکاتے ہوئے ۔ چلے نٹ ملاری وہ گاتے ہوئے
وہ کیڑے مکوڑے ہزاروں ادھر ۔ لگے رینگنے ہر طرف خاک پر
وہ تالاب اُڑتی تھی کل جس میں گرد ۔ نکل آئے مینڈک وہاں زرد زرد
وہ کیڑے کہ جو سر بسر خاک تھے ۔ وہ پانی کے پڑتے ہی سب جی اٹھے

سمجھ میں نہیں آتی کچھ اور بات
مگر تھا یہ بارانِ آبِ حیات

بینظیر

جلد اوّل

۷۷۔ بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتّر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں مُن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہی چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں
پھول پھل پتّے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے مگر عالم میں خورشیدِ فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے تینکی چمک

مختلف چڑیاں اُڑیں کوّے اُڑے چیلیں اُڑیں
اپنے اپنے آشیانے سے ابابیلیں اُڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بے حواس
ڈھونڈھتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

جلد اوّل

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

شوق قدوائی

۷۸۔ برسات کی شام

دن ہے کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابرِ سیاہ
کھل گئی دنیا میں آنے کے لیے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار و دشت

وہ شفق کی سُرخ رنگت اور فلک کا مرغزار
ساوُنی پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں یہ چرخ اِک کوہِ آتش فشاں

جلدِ اوّل

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اُڑا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک
یا کسی کے واسطے کھولے ہی آغوش آسماں
یا لیے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں
دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں

شوق قدوائی

۷۹۔ شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگہ فتنہ ساز سے
کرتی نقابِ ابر میں چشمک ہے ناز سے
جلد اوّل

اور کوکنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تولنا کوئل کی کوک سے

کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اوس میں
ہے گُل کو فخر آوے اگر پاس بو کے بس میں

آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
بول اُٹھنا مُرغِ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کہہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
قسمیں ہے دیتی نیند کہ بس اب تو سو رہو

آزاد لکھتے لکھتے ہے آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

طولِ امل کو اپنے اب انجام دیجیئے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام لیجیئے

آزاد

۰۰ ۔ سوزِ فرقت اور شبِ ابر

اُٹھی ہے جو کالی گھٹا اس طرح
مجھے کل پڑے بے ترے کس طرح

اندھیرے میں بجلی کا یہ کوندنا
مرے دل کی حسرت کا یہ روندنا

یہ ساون کی راتیں یہ گھرا ابر
بھلا کس طرح آئے پھر دل کو صبر

تڑپتا ہوں جز شوق دے کون ساتھ
نہیں سوجھتا ہاتھ کو آج ہاتھ

یہ سناٹا پانی کا ٹھنڈی ہوا
وہ حسرت بھری بانسری کی صدا

جو اُڑتی ہے چاروں طرف یہ پُھوار
انی کی طرح ہوتی ہے دل کے پار

درختوں پہ وہ جگنوؤں کی بہار
کہ اُڑتے ہیں نالوں سے میرے شرار

میں سکتے میں تھا موروں کی شور سے
گرجنے لگا رعد بھی زور سے

ہوئے جاتے ہیں ایک اب بحر و بر
برستا ہے کیا ابر جی کھول کر

بہت زور سے چل رہی ہے ہوا
عجب کیا کہ چھٹ جائے دم میں گھٹا

اِدھر دیکھو وہ کُھل چلا آسماں
ستارے بھی دو اک ہوئے ضوفشاں

بڑھانے کو دل کا مرے اضطراب
وہ چمکیں شعاعیں میانِ سحاب

لئے ہاتھ میں نیزہ ہر اک کرن
لگی کھولنے بندِ زخمِ کہن

نظر آتی ہیں دُور جو جھاڑیاں
ہیں اس دم درندوں کا ان پر گماں

یہ لو چاندنی میں ہوا دشت غرق
لگی لوٹنے میرے سینے پہ برق

وہ کوئل پپیہا وہ چلّائے مور
یہاں بڑھ گیا اور وحشت کا زور

غضب چھوٹی چھوٹی سی کرنیں اُدھر
ہیں آب ہیں کس طرح جلوہ گر

شبِ ہجر میں آج یہ چاندنی
کھلاتی ہے ہیرے کی مجھکو کنی

جگر پارہ پارہ ہے دل چُور ہے
بشر ہائے کس درجہ مجبور ہے

نہ ہے چین دل کو نہ آنکھوں میں خواب
بنا ہوں میں سر تا پا اضطراب

فلک پر ثوابت نہ سیّارے ہیں
انگیٹھی ہے گردوں یہ انگارے ہیں

مرے رب۔ مرے ارحم الراحمیں
سحر ہوگی اس رات کی یا نہیں

بے نظیر

۸۱ - برکھا رُت اور پردیس

بیزار اک اپنی جان و تن سے
بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے

غربت کی صعوبتوں کا مارا چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غمخوار ہے کوئی اور نہ دلجو اک باغ میں ہے پڑا لبِ جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اٹھا اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
برق آ کے لگی تڑپنے پیہم اور پڑنے لگی پھُوار کم کم
سامان ملے جو دل لگی کے یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گنگنانا اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
"اے چشمۂ آبِ زندگانی گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری بستی ہے اسی طرف ہماری
پائے تجھے کہیں مری سبھا کو دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اوّل کہیو سلام میرا پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنے لکھا فرقت میں تمھاری آئی برکھا
آتا ہے تمھارا دھیان جس دم مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر تالاب میں تیرتے تھے جاکر

جلدِ اوّل

جب سبزۂ و گل ہیں لہلہاتے — اُلفت کے مزے ہیں یاد آتے
ہم تم یونہیں ہاتھ میں دیئے ہات — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — میں تم کو ادھر اُدھر ہوں تکتا
رُت آم کی آئے اور نہ ہو یار — جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی"
نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اس کی
تھا سوزہ میں کچھ چھپا ہوا سا — پکڑا گیا دل سُن اس کی آواز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر — رو رہا ہے کہاں کا یہ مسافر

پر غور سے اک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالیؔ

حالی

۸۲۔ برسات کے عیش و رنج

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے — سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے — اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی — گلنار یا گلابی یا زرد و سبز دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی — جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی

جلد اوّل

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے — یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پہ برسے ہیں تھوڑے تھوڑے — بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا — مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی کسی کو ہے رنج و غم نے گھیرا — منہ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی — رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی — اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی ان کو آواز ہے سناتی — سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے امڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بیکل ہے کہتی جاتی — مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی نظم سے ہی یہ گیت بنائی میلے کچیلے کپڑے آنکھیں ہیں ڈبڈبائی
جل دیل نے گھر میں جھولا ڈالے اوڑھنی رنگائی چھپّر پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۴۳۔ برسات کی اُمنگ

گھر کے آخر آج برسی ہے گھٹا برسات کی میکدوں میں کب سے ہوتی تھی دعا برسات کی
موجبِ شور و سرور و باعثِ عیش و نشاط تازگی بخشِ دل و جاں ہے ہوا برسات کی
شام سرما دل رُبا تھی صبحِ گرما خوش نما دل رُبا تر خوش نما تر ہے فضا برسات کی
گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں جس سے دو مرض لال لال اک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی
سُرخ پوشش ہے زرد و سبز بوٹوں کی بہار کیوں نہ ہوں رنگینیاں تجھ پر فدا برسات کی
دیکھنے والے ہوئے جاتے ہیں پامالِ ہوس دیکھکر چھب تیری اے رنگیں ادا برسات کی

لازم و ملزوم ہیں ابرِ تر و دامانِ تر
درخورِ رحمت ہے حسرتؔ یہ خطا برسات کی

حسرت

جلد اول

۴۔ خشک سالی

نہ آئی پر نہ آئی پر نہ آئی — گھٹا نے بول دی بالکل صفائی
اگر آئی تو کی لے دے ہوا نے — سواری اور جانب کو بڑھائی
گئے دریا اُتر تالاب سوکھے — کجائی ابر دریا دل کجائی
نہ صحرا میں دل آویزی کا انداز — نہ بستاں میں ادائے دل کشائی
نہ صحن باغ میں طوطی کا نغمہ — نہ شاخ گل پہ بلبل چہچہائی
زمیں چٹیل ہے کورا آسماں ہے — ہوئی اب کی برس اچھی صفائی
نہ رُت بدلی کے ساون اور بھادوں — ہوئی ہے ترک باہم آشنائی
نہ تانا شامیانہ ابر تر نے — نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی
نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری — نہ وہ کالی گھٹا گھنگھور چھائی
نہ پرنالے چلے اب کے دھڑا دھڑ — نہ گزری کی سڑک رو نے بہائی
نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے — نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی
نہ وہ برسات کے کیڑے پتنگے — نہ مینڈک نے زمیں سر پر اٹھائی
کہاں بادل کہاں بجلی کہاں مینہ — پریشانی سی ہے دنیا پہ چھائی

جلد اول

نہ لے بھادوں بھرن برسائی تو نے — نہ لے ساون جھڑی تو نے لگائی
نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا — نہ کوئل ہی نے دھوم اب کے مچائی
نہ رنگا رنگ بادل آسماں پر — نہ چھت پر گھاس دیواروں پہ کائی
نہ کیچڑ ہے نہ پانی ہے نہ سبزہ — نہ مینھ برسا نہ کھیتی لہلہائی
ترستے ہیں برستا ہی نہیں مینھ — بسنتی ہے پڑی ساری خدائی
ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل — گئی گزری کسانوں کی کمائی
نہیں بیچارے حیوانوں کو چارہ — ہے انسانوں کو فکر بے نوائی
بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے — نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی

خدایا رحم کر جاں لب پہ آئی
تری مخلوق دیتی ہے دہائی

اسمٰعیل

۵۸ - اوائلِ سرما

نظر آتے ہیں جتنے تالاب خام — وہ اوڑھے ہیں کہنی کی چادر تمام
میسر نہیں یہ بھی کپڑا اگر — سنگھاڑوں کے پتوں سے ڈھانکے ہیں سر

وہ پانی پہ کائی بھی جمنے لگی وہ کچھ دھار دریا کی تھمنے لگی
وہ ندی کا زوروں پہ بہنا نہیں وہ پانی بھی جھیلوں کا میلا نہیں
کلنگ اور سُرخاب باندھے قطار گرے آکے جھیلوں پہ وہ بے شمار
کنارے کنارے وہ بگلوں کی صف حواصل ممولے بطیں ہر طرف
برابر جو بیٹھے صفیں باندھ کر کھچیں جدولیں صفحۂ آب پر
پئے سیر اب لوگ جانے لگے
شکاری بھی جھیلوں پہ آنے لگے

بے نظیر

۸۶۔ شدتِ سرما

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
جتنا عالم تھا کا شمیر ہوا بلکہ کہئے کہ زمہریر ہوا
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
گھر پڑنے کو کہتے ہیں سب یار ٹھنڈے ہی جہاں کے دل میں غبار
نہ کے نگیا جو غور کرکے میں آپ نکلے ہے منہ سے آسماں کے بھاپ

ہے ہی پوشش زمیں کو پاؤں سے جھاڑ　　　پا بدامن ہیں جس قدر ہیں پہاڑ
پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے　　　سبزہ و شال کی رضائی ہے
بس کہ یخ بستہ بحر میں ہی آب　　　برف کی ہے رکابی ہر گرداب
عکس پانی میں یوں ہی شکل پذیر　　　رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر
نہیں ہے نہر باغ میں اس دم　　　بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم
تیغ سے کاٹتا ہے آب وہ چند　　　آب میں اس قدر ہوئی ہو گزند
اکڑے جاتے ہیں دیکھ سنبل کو　　　گٹھری ہو جائے گل کے غنچہ میں بو
دیکھ گل پر صبا نسیبِ برد　　　بھرتی پھرتی ہی ہر طرف دم سرد
گر پڑے برگ تاک سڑ کے تمام　　　بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام
صرصر صبح جان کھوتی ہے　　　تیر سی دل کے پار ہوتی ہے
باد سے برگ کھڑکے ہیں اس بہانت　　　کہے تو باجتے ہیں دانت سے دانت
جس طرف اب نگاہ جاوے ہے　　　جو ہی جوں بید تھرتھراوے ہے
کانپتے ہیں درخت و ارض و جبال　　　موسم ٹے ہی یا رو یا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈے ٹھٹھرتی ہے　　　گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے　　　طرح یاقوت کی اب انگارے

جلدول

ہے یہ آفت چراغ تک در پے | لو گویا کہربائے شمع سے ہے
جاڑا لگنے کا بچ تلک ہے حرف | لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف — جلد اول
دیں ہیں برباد ٹھنڈ سے یک دست | جو کوئی ہے سو آفتاب پرست
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات | کالے کمبل میں رات کاٹے ہے رات
رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش | ابر دوش ہوا پہ بالا پوش
برف پڑتی نہیں فلک ندّاف | پھینکے ہی واسطے زمیں کے لحاف
شب جو رخشندگی پہ برق آئے | ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے
گر کسی شخص کو مرض ہے اب | تو وہ جاڑے ہی سے کرے کڑتب
فرطِ سرما سے دیکھیے جس کو | دست زیر بغل ہی مثل سبو
منعموں کے گھروں میں آج اور کل | ہیں پڑے پردے دہکے ہے منقل
پہنتے ہیں سمور اور قاقم | ٹھنڈ سے کھینچتے بہم سو دم
اس پہ جاڑے سے ہی یہ ان کا حال | ناک سے چھوٹتا نہیں رومال
جھینکنا جاڑے کا جو جھینکیں ہیں | اک سخن ہے تو لاکھ جھینکیں ہیں
کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا | گھر سے باہر نکل نہیں سکتا
پھر جو کوئی ندان نکلے ہے | ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں روئی میں جیو ۔۔۔ جس طرح ناشپاتی و انگور
اہل حرفہ کو کیجیے جو نگاہ ۔۔۔ کاروبار اُن کا ہو گیا ہے تباہ
پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارا ۔۔۔ ہائے اب کیا کروں میں بیچارا
سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک ۔۔۔ یارو پانی نکالو چیر کے مشک
آہ قناد بھر کے یوں بولے ۔۔۔ بنی تھی قند ہو گئے اولے
دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں ۔۔۔ بڑی چھپٹ کچھ دکان میں اُس کے نہیں
لگے ہے اب جو مرنے بیچارا ۔۔۔ یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا
غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ ۔۔۔ مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ
سودا اختصر ہی سردی کا مذکور ۔۔۔ شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

سودا

جلد اول

شبِ سرما

اے زمستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ ہر بات کا لُطف

ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر پھُلائے ہوئے جیسے کوئی بُلبل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہی
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہی

کچھ لحافوں سے ابھی منھ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھرّاتے ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی ہے کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزم احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
جلد اول
سازِ عشرت کے لیے برگ و نوا ہے تجھ سے

شبِ صحرا ہی میں ہی گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

یار حقہ کے ترے دور میں ملتے ہیں مزے
دو دو تلخ اس کے سوا دو دو دیتے ہیں مزے

ہی جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہی کہانی کا مزا

صوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف ہیگی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہووے تو ہے تصویر خیالی اُڑتی

بے نشے مست پڑے شکر خدا کرتے ہیں
چائیں پی پی کے ترے سر کو دعا کرتے ہیں

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں
اب تمنا جو ہے باقی تو یہی ہے دل میں

طپش عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

آزاد

۸۸- موسمِ سرما

چلی زور سے کیا ہوا رات کو
قیامت کا پالا پڑا رات کو

رزائی میں چھپ کر جو لیٹے ہیں آج
گلوبند سر سے لپیٹے ہیں آج

تھا جن جن کو نازکؔ مزاجی پہ لاف
ہیں لادے ہوئے وہ بھی بھاری لحاف

گری برف ٹھہری جو ٹھنڈی ہوا
رگوں میں لہو اب تو جمنے لگا

بلند آواز

دمِ صبح ہے زور سردی کا اور — جدھر دیکھو ہے چائے قہوہ کا دور
دو شالے دکھاتے ہیں کیا کیا بہار — کوئی شال اوڑھے کوئی جامہ وار
عمامے کا چلتا نہیں زور و پیچ — ہے سردی کے آگے دولائی بھی ہیچ
وہ گل جن کو ڈھاکے کی ململ تھی بار — نہیں آج کمبل سے بھی اُن کو عار
قبا تھی گراں جن پہ تنزیب کی — پہنتے ہیں اب کوٹ اچکن روئی
جو کہتے تھے اپنے کو آتش مزاج — چڑھائے ہیں دستانے ہاتھوں پہ آج
کہیں گھر میں تاپتے ہیں حسیں — کوئی ہاتھ ہی سینکتا ہے کہیں
وہ رنگین کپڑے چمکتے ہوئے — انگیٹھی میں کوئلے دہکتے ہوئے
نہیں بھاتی مطلق درختوں کی چھاؤں — ہوئیں ٹھٹھرتے ہیں اب ہاتھ پاؤں
نہیں چھینٹ سے خالی کوئی دوکان — اُترتے ہیں پاتات پھلوسے کے تھان
نزاکت بھری لکھنؤ کی وہ فرد — کہیں سرخ و سبز اور کہیں زرد زرد
غرض سب کے لب پہ ہے سردی کا ذکر — مگر فضلِ حق سے یہاں کیا ہے فکر
فقیر اپنے کمبل میں بیٹھا ہے مست — پیالے پہ چڑھتا ہے جامِ الست
ردائے نگاریں ہے لطفِ عجیب — رضائی کی جا ہے رضائے حبیب
جو مجمر ہے سینہ تو دم شعلہ بار — ہیں انگارے سے داغِ غمِ عشقِ یار

جلد اول

لگائے ہوئے سوزِ دل کا الاؤ — فقیر اپنی سوچوں کو دیتا ہے تاؤ
قریب آ کے سورج کے پہنچے مگر — ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

یہ معلوم ہوتا ہے ہے وقتِ شام
قیامت کا چھایا ہے کہرا تمام

بے نظیر

۸۹ - جاڑے کی بارش

چھپا سورج گھٹا آئی فلک پر — بڑھی سردی ہوا چلتی ہے سرسر
لو اب بوندیں بھی کچھ پڑنے لگی ہیں — مہاوٹ کا مزا دکھلا رہی ہیں
گھٹا میں کچھ ہے بجلی کی چمک بھی — گرج بھی آسماں پر ہے کڑک بھی
لگے پڑنے پٹاپٹ خوب اولے — کوئی سردی میں کیونکر ہاتھ کھولے
پڑا ہر ایک کو جاڑے سے پالا — ہوا ہے کار کمبل اور دوشالا
بدن پر لاد رکھا ہے اوور کوٹ — بچے ہیں اس میں ہم سردی کی اک چوٹ
نہیں کچھ کام دیتی ہے رضائی — بہت پیروں تلے ہم نے دبائی
ہوئے سردی سے دونوں ہاتھ لکڑی — کوئی چیز اب نہیں جاتی ہے پکڑی

ہوا ہے تھامنا مشکل قلم بھی — نہیں ہے انگلیوں میں اتنا دم بھی
شکایت ہی بہت سردی کی گھر گھر — سب انساں کانپتے ہیں تھر تھر — جلد اول
بُرے لگتے ہیں بادل آسماں پر
گھٹا سردی کی چھائی ہے جہاں پر

وجاہت

۹۰ - کہرا

برس مینہ دو دن میں کھل بھی گیا — ولیکن ہے کہرا لطیفہ نیا
کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود — ہوئے ہونٹھ سردی سے سب کے کبود
دل اُس دودِ تیرہ سے گھبرا گیا — کہیں آگ دیکھی تو جی آ گیا
یہی حال تھی ایک دو چار کوس — ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی ایسی اوس
تراکم قیامت تھا اشجار کا — ستم پھٹ ہوا ہے ستمگار کا
کہ اس مرتبہ باد و سرد تھی — ہوئے سُن مگر برف پرورد تھی
بلا دھوم سے کوئی گھیرا پڑے — جنہیں دیکھو وے کانپتے ہیں کھڑے

ہوا سرد ہو کر گئی جان مار
اُٹھایا بڑا لطف سیر و شکار

جلد اول

صبیں

۹۱- کہر

دفعتہً پیر سحر سانس ہی ایسا بھرتا
یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہی ایسا کرتا
کہ جہاں آنکھوں میں ہو جاتا ہی یکبار سفید
دشت و کہسار سے لے تا در و دیوار سفید
ابر کی طرح بخارات کا گھر کر آتا
برف کے پردہ میں وہ روئی دھنکتے جاتا
ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے ہیں جالے اُڑتے
اور ہوا میں کبھی روئی کے ہیں گالے اُڑتے

آزاد

۹۲- دوپہر

قریب آتی جاتی ہے اب دوپہر
پگھلنے لگی برف کہسار پر
صدا ہستیوں سے نکلنے لگی
ہوا بھی ذرا تیز چلنے لگی

قریب آ گئی وہ درختوں کی چھاؤں — ہوئے خوب ٹھنڈے ہیں اب ہاتھ پاؤں
چرائی سے پھرنے لگے جانور — وہ پانی پہ گرنے لگے جانور
وہ ہر لہر بجلی دکھانے لگی — نظر پانی پر تلملانے لگی
بہت صاف ہے گو سپہر کہن — وہ منڈلا رہی ہیں مگر کچھ زغن
درختوں پہ بیٹھے ہیں کچھ دور دور — وہ اڑتے ہیں تالوں پہ بھی کچھ طیور
ہرن اور چیتل نکلنے لگے — وہ پی پی کے پانی اچھلنے لگے

ہوئے آب شیریں سے جو بہرہ ور
تو کیا کیا کلیلوں پہ ہیں جانور

بے نظیر

۹۳- سہ پہر سما

ڈھلا دن سنہری ہوئی سطح آب — پہاڑوں میں چھپنے لگا آفتاب
دکھاتے ہیں چوٹی وہ زریں کھجور — گیا بھاگ کر سایہ تاڑوں کا دور
شعاعوں کے ٹیلوں پہ ہیں کچھ نشاں — چلے گاؤں کو گلے لے کر شباں
وہ مزدور سڑکوں سے آنے لگے — سرا کو مسافر بھی جانے لگے

جلدِ اول

کھنچا سرخ پردہ وہ افلاک پر
نہیں آفتابِ زرد سورج نظر

وہ جو لکّۂ ابر ہیں دور تک
ہے ان میں بھی یاقوت کی سی چمک

شفق پھول کر یہ ہوئی خوں فشاں
بنا عرصۂ قتل گہ آسماں

ہوا ہر طرف اک سکوت آشکار
ہوا کم ہوئی ٹھیری دریا کی دھار

جو تھوڑی سی آتی تھی بدلی نظر
وہ سونے کا پتّر بنی سر بسر

ہوا جھٹ پٹا وقت بدلا سماں
لگا کھولنے جعدِ شب آسماں

نہیں بدلیوں میں بھی اب وہ چمک
بنا گنبدِ سنگِ موسے فلک

فلک روشنی دن کی کھونے لگا
اندھیرا سا باغوں میں ہونے لگا

درخت اپنے چہرے چھپانے لگے
بخارات دریا پہ چھانے لگے

بے نظیر

۹۴- جاڑے کی بہار

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
جلد اول
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑہ ہو بجتی ہو سب کی تبتیبی
ہو شور پھپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّہ پر کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا

چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر

۹۵۔ فصلِ سرما

ڈھکیں چوٹیاں برف سے سر بسر
کہ چاندی چڑھائی ہے کہسار پر
کھلے پھول گیندے کے وہ زرد زرد
چلی آتی ہے کیا ہوا سرد سرد
وہ گُل مہندی پھولی کھلے گلفرنگ
چمکتا ہوا وہ ہزارے کا رنگ
وہ نیلم کے ساغر لیے کاسنی
وہ سورج کی ہم شکل سورج مکھی
وہ گوبھی کے پتے اکڑنے لگے
بتاشے بھی دو چار پڑنے لگے
اناروں میں کلیاں بھی لو آگئیں
وہ کیلوں کی پھلیاں بھی گدرا گئیں
بہی سیب امرود پکنے لگے
وہ شاخوں میں گولے چمکنے لگے
وہ پک کر شریفے بھی سب کھل گئے
ٹپک پڑتے ہیں جو ذرا ہل گئے
لدی ہیں درختوں میں نارنگیاں
پھٹی پڑتی ہیں بوجھ سے ڈالیاں

ہزارے لٹکتے ہیں کیا لال لال
جڑے ہیں زمرد کے جھاڑوں میں لال
غضب عشق پیچاں کا شاخوں سے میل
وہ نازک وہ باریک پتی کی بیل
تراشے ہیں قدرت نے کیا بے مثال
کرن پھول یاقوت کے لال لال
وہ کچھ پھول سرسوں میں آنے لگے
ذرا کھیت جوبن دکھانے لگے
کہیں چھوٹے چھوٹے وہ چیری کے پھول
کہیں اودے اودے وہ السی کے پھول
نظر آتی ہے صنع رب انام
زمرد کی چھڑیوں پہ نیلم کی شام

ہوا جب اڑاتی ہے جنگل کی ریت
تو کیا لہلہاتے ہیں گیہوں کے کھیت

بے نظیر

۹۶ ۔ موسم خزاں

آ زمستاں کہ ہے تو بادشہ برفانی
شاہ برفانی و شاہنشہ برفستانی
باد صرصر ہے نشاں تیرا اڑاتی آتی
فوج اقبال کو رستہ ہے بتاتی آتی
جس طرف تیرے پھریرے کا ہے جھوکا جاتا
مارے ہیبت کے ہے دل سینوں میں تھرّا جاتا
بلغ پر جب ہے ترے قہر کا جھوکا آتا
ڈر کے ہر برگ ہے پیوند زمیں ہو جاتا

تیرے سناٹے سے ہوتی ہے فنا جانِ نبات — خوف کے مارے نکل جاتے ہیں طفلانِ نبات
تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن — مُنھ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن
ہیں شجر سر بہ کھڑے خاک اُڑاتے سارے — گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے
نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھلائے بیٹھے — اور پر و بال میں ہیں مُنھ کو چھپائے بیٹھے
باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے — لب حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے
یا الٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا — باغ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا
رازِ غم کس سے کھلے باغ میں بلبل بھی نہیں — کان میں پوچھیے کس سے کہ رہا گل بھی نہیں
نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو منھ کھولے — نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے

کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں

آزاد

۹۷- آفتِ خزاں

ہیں باغ جتنے یاں کے سوا ایسے پڑے ہیں خوار
کانٹے کا ان میں نام نہیں پھول درکنار

سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہی بہار بند
دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہی آبشار بند

نظیر اکبرآبادی

۹۸۔ آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی ہو گئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے ‏ ‏ چشمِ نرگس کو دی ہی بینائی

جملۂ اول ہی ہوا میں شراب کی تاثیر ‏ ‏ بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ

شاہِ دیندار نے شفا پائی

غالبؔ

۹۹- آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی

بہار آئی بہار آئی بہار آئی

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے

زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے

بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بدنما سکہ

بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
جلد پھول بنتی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ اُن کو مُنہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیم باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردے سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیّرِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گُل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہوا منہ چومتی ہے بار بار آ کر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

عیاں سبزہ پہ الفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کے بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالے کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دل ربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا ساماں پھولوں نے
کیا بھوروں کو جوشِ فیض سے مہماں پھولوں نے

ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر اُن کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حُسنِ فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

شوق قدوائی

۱۰۰۔ آمدِ بہار

غنچے نے تاجِ گل سے کیا پیرہن درست
شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست

پیغام رستخیز ہے آمد بہار کی
مرکر ہوئی ہے نرگسِ بیمار تندرست

گل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے
کر باغباں نشیب و فرازِ چمن درست

نسیم

---

۱۰۱ عروس بہار

جلد اول

پھولوں کا گہنا پھولوں کا مالا پھولوں کا سہرا پھولوں کا بالا
پھولوں کا چاند اور پھولوں کا ہالا سچ مچ گلاب اور سچ مچ کا لالا

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے بادل پھولوں کی جھڑیاں پھولوں کے انبار پھولوں کی دھڑیاں
پھولوں کے گھنٹے پھولوں کی گھڑیاں پھولوں کے گیند اور پھولوں کی چھڑیاں

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے غنچے پھولوں کی کلیاں پھولوں کے کنج اور پھولوں کی گلیاں
شاخوں کے جھولے وہ رنگ رلیاں پھولوں کی پریاں برفی کی ڈلیاں

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی ڈالی ڈالی ہے خرمن پھولوں کا بوٹا بوٹا ہے گلشن

پھولوں کے کوشک پھولوں کے مخزن پھولوں کی شمعیں پھولوں سے روشن

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

پھولوں کے قصر اور پھولوں کے میداں پھولوں کے طاق اور پھولوں کے ایواں

پھولوں کے دربار پھولوں کے درباں پھولوں کے ساز اور پھولوں کے ساماں

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

مہابن پہ آیا جوانی کا جوبن پربت کا مالی ٹیلے کی مالن

پھولوں کی بدھی پھولوں کا جوشن پھولوں کی چولی پھولوں کا دامن

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

پھولوں کی سج دھج پھولوں کی جھلمل پھولوں کی دھومیں پھولوں کی ہلچل

پھولوں کے میلے پھولوں کے دنگل پھولوں کے جنگل جنگل میں منگل

آہا عروسِ فصلِ بہاری

آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

جلد اول

شیخ و برہمن دانا و جاہل عاشق محزوں شاعر بیدل
جنگل کی چڑیاں باغوں کے کوئل آتے ہیں ہل جل گاتے ہیں ہل مل

آہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

صادق

۱۰۲- جلوسِ بہار

بگھیاں پھولوں کی تیار کرائے بوٹے سمن کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سی چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر کرسیِ ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر آکے جب غنچۂ گل کھولیں گے بوتل کے دہن
کھینچ کر تارِ رگِ ابرِ بہاری سے کئی خود نسیمِ سحر آوے گی بجاتی ارگن
پتے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبور لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
اپنی سنگینیں چمکتی ہوئی دکھلاویں گے آ پڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن
نے نواری کے بیئے کھول کر اپنی منقار آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اس کا فن

آئے گا اندر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب — یاسمن پتّوں کی پنیس میں چلے گی بن ٹھن
جلد لے نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ — ساتھ ہو لیگی نزاکت بھی جو ہے اُس کی بہن

حوضِ صندوق فرنگی سے مشابہ ہونگے
اس میں ہو ویں گے پریزاد بھی سب عکس فگن

انشا

۱۰۳- صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار — واہ کیا دلفریب ہیں اشجار
ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گُل — ہے چمن پر غضب کا آج نکھار
شاخِ گل پر ہے بلبلوں کا ہجوم — کر رہی ہیں ستایشِ غفّار
کیا ہے پُر درد نالۂ قمری — کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار
کہیں طوطی کی پیاری پیاری صدا — کہیں کوئل کا کوکنا ہر بار
کہیں وہ شور و غُل پپیہوں کا — کہیں وہ نالہ ہائے بلبلِ زار
کیا ہی دل کش ہے صبح کا عالم — رشکِ جنّت ہے تختۂ گلزار
ہر طرف طائرانِ خوش الحان — شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار

جس طرف دیکھو پُر فضا ہی سماں — جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار

کہیں بیلا چمبیلی جوہی ہے — کاسنی کیتکی کہیں ہیں چنار

کہیں شبّو کہیں گلاب کے پھول — کہیں نسرین و نسترن کی بہار

کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر — کیسے شاداب ہیں گل و گلزار

نہ کہیں ہے خزاں کا نام و نشاں — باغ سیراب سبز ہیں اشجار

چل رہی ہے نسیمِ عنبر بیز — جس سے بشاش ہے دلِ بیمار

واہ کیا دلفریب منظر ہے

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

اوج گیاوی

۱۰۴۔ لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا — لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا

جادو بھرا تھا گل کا ادھر حسنِ جاں فزا — بلبل اِدھر ترانۂ الفت سے خوش نوا

سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی

شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسّم دکھا رہی تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی
جلد اول
بادِ صبا انھیں تھی کبھی گدگدا رہی مُنہ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی
شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی ۲

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی تھی گاہ طفلِ غنچہ کو جھولا جھُلا رہی
مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی اندازِ لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی
سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی ۳

تھیں خندہ ہائے گل میں عجب جاں نوازیاں نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں
پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں نرگس کی چشمِ مست میں سو سحر سازیاں
کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھیں ٹپک رہی اس کی شرارتیں

مُرغانِ بوستان بھی بے تاب سربسر بیچین اُڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر
گویا وہ ڈھونڈتے تھے کسی کو شجر شجر قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر

نرگس پہ نسترن پہ گُل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروسِ بہار تھی زیبِ گلو کیے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگِ گُل سے شانِ جمال آشکار تھی جوبن کے اس بہار پہ جنّت نثار تھی
شہرت بہارِ حُسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغِ جناں کی زبان پر

مبارک

۱۰۵- کیفیتِ بہار

شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب کے ہے سو رنگ کے شگفتہ ہیں گُل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں پڑے صحنِ باغ میں تاک اینڈتے ہیں مست پڑے جوئبار پر
موجِ بہار لالۂ خود رو سے نے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے آ کوہسار پر

انشا

جلد اول

۱۰۶ - جوشِ بہار

بہار لالۂ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں چاک کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں

جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا
کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

آتش

۱۰۷ - موسمِ بہار

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزّ و جل

واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ
اب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلمکار بہ دشت و جبل

عکسِ گلبن یہ نہیں پر ہے کہ جس کے آگے
کارِ نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اوّل

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغرِ لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل

بلکہ آبِ رواں عکسِ ہجومِ گل سے
لوٹے ہے سبزہ پہ ازبس کہ ہوا ہے بے کل

اب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

چشمِ نرگس کی بصارت بہ ازیں تھے در پے
غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے مکحل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

سودا

۱۰۸۔ بہار

بہار آئی اک دھوم سی مچ گئی
عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی

صبا میں جو کچھ گدگداہٹ سی ہے
لبِ غنچہ پر مسکراہٹ سی ہے

ہوا میں یہ کیفِ مے ناب ہے
چمن کا چمن مست و شاداب ہے

غضب بھینی بھینی گلوں کی مہک
ستم ہلکی ہلکی ہوا کی سنک

جو گاتے ہیں مرغانِ شیریں زباں
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں

بے نظیر



جلد اول

۱۰۹ - بہار

آئی ہی بہارِ مے گساراں پھولے ہیں چمن میں گل ہزاراں
آئی ہی بہارِ ہر خیاباں ہی لطفِ ہوائے گل بداماں
آئی ہی بہار و مرغِ گلزار کرتا ہے نوائے سینہ افگار
لایا ہے بزور اس کا نالہ مجھکو بھی برائے سیرِ لالہ
اطراف چمن کھلا ہے لالہ ہر پھول شراب کا ہی پیالہ
تحریکِ نسیم دمبدم ہے تکلیف ہوائے گل ستم ہی
ہی سروِ جواں نشہ درسر لوٹے ہی روش پہ سبزہ تر
ہر شاخ ہے شوخ جام در دست نرگس ہے کسو کی نرگسِ مست
ابروں نے بھی کی ہی مے پرستی اٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی

بوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا
رنگِ گل و لالہ زور چمکا

ساقی ٹک ایک موسمِ گل کی طرف بھی دیکھ ٹپکا پڑے ہی رنگ چمن میں ہوا سے آج

نکلی ہیں اب کے کلیاں اس رنگ سے چمن میں
سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

جلد اول
بہار آئی ہی غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سی
نہال سبز جھومیں ہیں گلستاں میں شرابی سی

چلتے ہو تو چمن کو چلیئے سنتے ہیں کہ بہاراں ہی
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہی

میر

۱۱۰ بہار

بہار آئی نکھرے نہال چمن
بدلنے لگے نخل رخت کہن

وہ بوٹوں میں کلے لگے پھوٹنے
عنادل کے چہکے لگے چھوٹنے

درختوں نے پہنا وہ دھانی لباس
لب نہر سبزہ زمرد اساس

نئی پتیاں وہ چمکنے لگیں
وہ کھل کھل کے کلیاں مہکنے لگیں

رہا چمن سرسبز تازہ بہار
وہ پھولی حنا ہر طرف عطر بار

وہ شاخوں میں کونپل نکلنے لگی
درختوں کی صورت بدلنے لگی

بنفشہ کہیں سنبل تر کہیں
کہیں سوسن و گل بہار آفریں

گلستاں میں ہر سو شمیمِ بہار — اُڑی دوشِ بادِ سحر پر سوار
حسینانِ نازک ادا لالہ رو — روش پر ٹہلتے ہیں ہمرنگِ بو
کھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب — وہ پھولے ہزار و طرح کے گلاب
وہ پھولی چنبیلی کھلا مونگرا — کھلی چاندنی باغ میں جابجا
چمن زیورِ گل سے زیبا نگار — وہ نوخاستہ نوعروسِ بہار
یہ فطرت کا ہی قدرتی انتظام — کھلے پھول لاکھوں طرح کے تمام
وہ پھولوں پہ اُڑتی ہوئی تتلیاں — دکھاتی ہیں قدرت کی صناعیاں
گریں پھولوں پر شہد کی مکھیاں — وہ چھتّوں سے جھُکنے لگیں ٹہنیاں
بھری گود شاخوں کی اثمار سے — ٹپکنے لگا شہد اشجار سے
وہ گدرائے پھل رنگ لانے لگے — انار اپنا جوبن دکھانے لگے
وہ انگور وہ رس بھری لیچیاں — لٹکتی ہیں آموں میں وہ کیریاں
تر و تازہ وہ سرسبز ہے ہر شجر — لدے ہیں درختوں میں فصلی ثمر
وہ صحرا کی دیکھے کوئی اب بہار — کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار
وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف — لگائے ہے اک آگ سی ہر طرف
وہ سرخی میں سیمبھل کے گل بے عدیل — دکھاتے ہیں لطفِ ریاضِ خلیل

جلد اول

وہ سرسے کے پھولوں کی بو تیز و تند جسے سونگھتے ہی کھلے ذہن کند
دکھاتے ہیں اس وقت کیا کیا پھبن چمکتی ہو چاندی کی جیسے کرن
کدھر سے یہ آئی ہوا یا عجیب مگر ہے کروندے کا جنگل قریب
عجب مست خوشبو ہے پھولوں کی واہ ہوئی جاتی ہے دل کی حالت تباہ
بہت دور وہ جھاڑیاں ہیں مگر ہوا میں لپٹ آرہی ہے ادھر
کرن پھول اکو ہر لیے بے شمار دکھاتا ہے چاندی کے گھنگرو مدار
وہ سہجن کے وہ سرخ گھونگچی کے پھول املتاس اور مال کنگنی کے پھول
وہ صحرا کا ہر نخل پھولا ہوا غم بادِ صرصر کو بھولا ہوا
ہوا میں ہے نشو و نما کا اثر ہیں مستی پہ وحش و طیور و بشر
نہیں ہوتا یہ زور مستی کبھی کہ ہر شے پہ چھائی ہے اک بیخودی

میں اس شانِ قدرت پہ ہر دم نثار
دکھائی ہمیں جس نے کیا کیا بہار

بے نظیر

۱۱۱- بادِ مُراد

[illegible]

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار — تمنائی ہے تیرا ہر گل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں سنسان — گیاہِ مردہ میں تو ڈال دے جان
نہیں گلشن میں پتّے کا بھی کھڑکا — ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا
لہک تیزی سے اے بادِ بہاری — کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری
جو تو لہکے تو سبزہ لہلہائے — چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی — زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکا ہوا پھل — کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سُنا بادِ صبا کیا کیا خبر ہے — قلمرو میں تری کل بحر و بر ہے
ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت — بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں — رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
ترے ہمرہ چلے آئے ہیں پیہم — یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ اعظم

جلو میں ہی ترے اک فوج جرّار تو ہی ہی ابر کے لشکر کی سردار

جلدو ل

اُٹھایا ہے سمندر تو نے سر پر گھٹا کو لاد کر لائی کمر پر

تری تیزی سے ہیں ڈالیں چٹکتے
ترے جھونکوں سے ہیں قطرے ٹپکتے

چمن میں ابر ہی ٹھنڈی ہوا ہے ہجوم طائرانِ خوش نوا ہے

کبھی جھونکا نکل جاتا ہی سن سے کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے

غبار و گرد سے جو اٹ گئی تھی صَبا نے غسل کا ساماں کیا ہے

ہَوا نے کیا ہَوا باندھی چمن میں کہ خوبانِ چمن کا سر کھلا ہے

چمن کا پتہ پتہ ہے نوا سنج صبا کی آمد آمد جا بجا ہے

گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے

کھلی ہر پنکھڑی گلہاے تر کی صَبا نے کان میں کیا کہدیا ہے

بکھیری نسترن پر زلفِ سُنبل صبا شوخی میں فتنہ ہے بلا ہے

سنبل
نسترن

گیاہِ سبز کا طُرّہ پریشاں
صبا تیرے ہی چھیڑے سے ہوا ہے

کرائے بادِ مُراد آہنگ آفاق
جہاز سُست روہی تیرا مشتاق

پھریرے کو اُڑا کس بادباں کو
کہ دیکھیں ساحل ہندوستاں کو

خلیج و آبنا و بحر و ساحل
ترے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل

مقامِ استوا سے تا بہ قطبین
تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین

بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تونے
کیا بحرین کا گلگشت تونے

تو ہی ہے اے نسیم صبح گاہی
مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی

جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی
غریبوں اور امیروں پر مساوی

کبھی بنتی ہے ایسی تُند و پُر زور
معاذاللہ معاذاللہ ترا شور

اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو
تہ و بالا جہاز جنگجو ہو

کبھی دریا میں لیجائے بہا کر
کبھی ساحل پہ دے پٹکے اٹھا کر

جلد اول

اُڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ | جہاز آ گئے ترے مثلِ پرِ کاہ

معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے | تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے

اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو | ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو

یہ چھیڑا سنے میں کیسا راگ تو نے | نیستاں میں لگا دی آگ تو نے

تری رفتار ہے بیباک کیسی | اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی

یہ گل کترے ہیں تو نے بے تامل | کیا اک دم زدن میں شمع کو گل

کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو | کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو

چُرا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ | نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ

جو بادی چور تو ایسی نہ ہوتی | نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی

خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے | تری تیزی برابر ہر کہیں ہے

اُجاڑا گر کسی مفلس کا چھپر | اُکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر

نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے | نہ جھجکے طرّہ و تاجِ شہاں سے

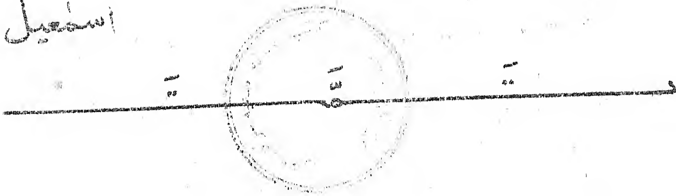
نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں | اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں

جلد اول

کسی کا طرّہ طرار چھیڑا　　کسی کا برقعِ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے

تری شوخی و چالاکی بجا ہے



مناظرِ قدرت

جلد اوّل

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکرگزاری ہوگا۔

۱۔ آتش: خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۶۷ء وطن لکھنؤ وفات ۱۸۴۷ء مدفن لکھنؤ

صفحہ

(۱۴۶) جوشِ بہار ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۴۶

۲۔ آزاد: مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

ضمیمہ جلدا

۳۔اسمٰعیل: مولوی محمدؐ اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

صفحہ ضمیمہ جلد ا

ضمیمہ جلد ۱

۱۰- جلال: قاضی جلال الدین صاحب

ولادت وطن مُرادآباد

۱۱- جوش: شبیر حسن خاں صاحب رئیس ملیح آباد

۱۲- جیدیال صاحب سکسینہ

۱۳- حالی: خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وفات ۱۹۱۴ء وطن مدفن پانی پت

۱۴- حامد: حامد حسین صاحب قادری

ولادت وطن بچھراؤں

۱۵- حسرت شروانی: نواب صدر الصدور مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی

ولادت وطن علی گڑھ

۱۶- حسرت موہانی: سید فضل الحسن صاحب

ولادت ۱۸۷۵ء وطن موہان

۱۷- ذاکر:

۱۸- سحر: منشی اقبال بہادر ورما صاحب

صفحہ

ضمیمہ ۴۰ - نفیس :

۴۱ - نہال عظیم آبادی

۴۲ - وجاہت : سیّد وجاہت حسین صاحب

ولادت وطن جھنجھانہ

۴۳ - ہادی : سیّد محمدؐ ہادی صاحب بی - اے

ولادت ۱۸۸۳ء وطن مچھلی شہر

۴۴ - عبد

۱۷

سلسلۂ دعوتِ صدق

اسرارِ حق

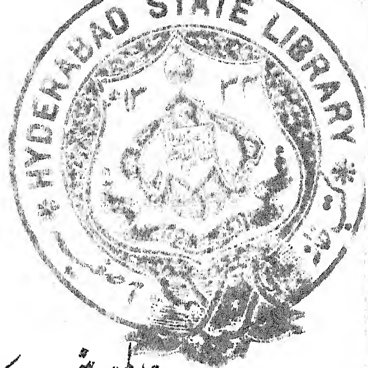
مؤلفہ

محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین، اکابر دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لُبِ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن، توحید اور اس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب، کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ ایک ہی نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جن علوم کو اللہ جلّ شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے قابل دید حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول۔



معاشیات

(۱) **علم المعیشت**۔ اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہی۔ مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہی۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہی لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہی کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہی اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صہ/

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی

اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہی کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ بھی اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہی۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہی۔ یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہو رہی ہی۔

(۳) **مالیات** ۔ پبلک فنانس (Publice finance) پر اردو زبان میں سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہی مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہی۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور ان کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہی یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہی۔ ضخامت تخمیناً ۶۰۰ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمات المعاشیات** ۔ مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس

اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۷۵۰ صفحہ۔ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۵) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (*Indian Economics*) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۶) **برطانوی حکومت ہند**۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (*British Administration in India*) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۶ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

ملنے کا پتا:- محمد مقتدی خاں شروانی علی گڑھ

Professor Elyas Burny's Other Urdu Works

1. **Ilmul-Maeeshat**—On Principles of Economics—over 800 pp.

2. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics—about 800 pp. (in press)

3. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pp. (under preparation)

4. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation Moreland's Introduction to Economics.

5. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

6. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**— Translation of Anderson's British Administration in India.

7. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pp.

Volume III ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV ... Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series, in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and gauge the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,
OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD (DECCAN).

December, 1924.

Volume II ... Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume III... Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV... Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I ... Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainy-season, Winter, Summer and Spiring.

Volume II ... Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, Such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows :—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community)

Volume I ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion : A Prayer Book.

Volume II ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV... Collection of poems dealing with the various problems of Ethics and Morals.

Set II

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I ... Selections from the works of the two old and premier poets Mir and Sauda.

SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three Volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been pubished in

Manazir-e-Qudrat

VOL I

Selected Urdu Poems Series

Manazir-e-Qudrat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY
M. A., LL. B. (ALIG.)
Osmania University
Hyderabad (Deccan)

VOL. I

3rd Edition Price Re 1